قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۳ شمارہ: ۳
ربیع الاول: ۱۴۴۱ھ - نومبر: ۲۰۱۹ء
قیمت فی شمارہ: ۴۰ روپے ، زرِسالانہ: ۴۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمّد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: +92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk
ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

پاکستان اپنے اہداف کب حاصل کر پائے گا؟!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

شرعی اصطلاحات...ضروری تنبیہ!	۱۰	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۵	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (قسط:۲)	۱۹	مفتی عبدالرؤف غزنوی
عقیقہ کے فضائل اور مسائل!	۲۹	مفتی عبدالرؤف سکھروی
شرعی عائلی احکام کی دفعہ بندی: قانونِ رضاعت (قسط:۸)	۳۳	مفتی شعیب عالم
حرام اور مشتبہ سے اپنے آپ کو بچائیں!	۳۶	مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
مسلم عائلی قوانین...یتیم پوتے وغیرہ کی میراث (قسط:۳)	۴۴	ڈاکٹر مولانا انعام اللہ
مذاہبِ اربعہ ..... ایک مختصر تعارف (قسط:۳)	۵۱	مولوی فضل الرحمٰن

یادِ رفتگان

حضرت مولانا محمد اسفندیار خان نور اللہ مرقدہٗ	۵۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

دارالافتاء

محفلِ میلاد کی واقعاتی اور شرعی حیثیت!	۵۶	ادارہ

نقد ونظر

	۶۱	ادارہ

پاکستان اپنے اہداف کب حاصل کر پائے گا؟!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ہمارا ملک پاکستان ''اسلام'' کے نام پر وجود میں آیا، بانیانِ پاکستان نے اس ملک کو ایک اسلامی اور فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کرنے کے لیے حاصل کیا، اسی لیے پہلی دستور ساز اسمبلی میں ''قراردادِ مقاصد'' پاس کی گئی اور پھر ۱۹۷۳ء میں ایک متفقہ دستور پاس کیا گیا، جس میں یہ طے کیا گیا کہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے، یعنی اس کے منتخب نمائندے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل درآمد کے پابند ہوں گے۔ اور اس ملک کا سپریم لاء قرآن وسنت ہوگا اور کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ اس ملک کو اسلامی ریاست کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' تشکیل دی گئی اور اس نے بڑی محنت، جدوجہد اور کوشش وکاوش کر کے کئی سو سفارشات مرتب کر کے قومی اسمبلی کو بھیجیں، لیکن آج تک ان میں سے کوئی ایک سفارش بھی قانون کا درجہ نہیں پاسکی۔

ہمارے ملک کے اس ۷۲ سالہ دور میں ہر اُس بات بلکہ ہر اُس اشارے اور خیال کو تو قانون کا درجہ دیا گیا جو بیرونی قوتوں نے ان کو تھمایا، یا ان تک پہنچایا، لیکن پاکستان کے حصول کے مقاصد پر آج تک سنجیدہ انداز سے نہ سوچا گیا اور نہ اس پر کوئی غور وفکر کیا گیا۔

اسلام نے سود چھوڑنے کو ایمان کی شرط، سودی معاملات کرنے کو اللہ ورسول (ﷺ) سے اعلانِ جنگ اور معیشت کے لیے تباہ کن قرار دیا، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

۱:-'' يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ '' (البقرۃ:۲۷۸-۲۷۹)

ترجمہ:''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود، اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا، پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔''

۲:-''يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ'' (البقرۃ:۲۷۶)

ترجمہ:''مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے۔''

لیکن آج تک ہمارے ملک میں یہ سودی کاروبار رائج ہے اور اس کی نحوست وسزا پوری قوم مہنگائی، بے روزگاری اور بے برکتی کی صورت میں بھگت رہی ہے۔ انہی سودی قرضوں کی جکڑ بندیوں کی بنا پر بیرونی مالیاتی ادارے آئے دن ہمارے اوپر کڑی شرائط لگاتے اور اپنے مطالبات منواتے رہتے ہیں، جیسا کہ حال ہی میں ایک بین الاقوامی ادارے ''ایف اے ٹی ایف'' نے پاکستان کو چالیس مطالبات کی ایک فہرست دی کہ آپ ہمارے ان مطالبات کو پورا کریں گے تو آپ کو گرے لسٹ میں رکھا جائے گا۔ پاکستانی حکومت نے اس پر عمل درآمد کیا۔ اس اکتوبر میں اس ادارے کا اجلاس ہوا، اس نے حکومتِ پاکستان کے ان اقدامات کی تفصیل کو دیکھا تو نتیجہ نکالا کہ پاکستان نے ہمارے ۳۴ یا ۳۶ مطالبات پر تو عمل کیا، لیکن چار اقدامات اب بھی باقی ہیں اور چار مہینہ کی مزید مہلت دی کہ پاکستان ان اقدامات پر عمل کرے گا تو اس کا نام فروری میں گرے لسٹ میں آئے گا، ورنہ پاکستان کو معاشی میدان اور بین الاقوامی تجارت میں بلیک لسٹ کر دیا جائے گا۔ اُدھر ''آئی ایم ایف'' جس نے ابھی تک موجودہ حکومت کو کوئی قرضہ نہیں دیا، لیکن مسلسل وہ بھی مطالبات کر رہے ہیں کہ گیس، بجلی اور پٹرول جیسی بنیادی اشیاء پر مزید ٹیکس لگائے جائیں، تب ہم آپ کو قرض دیں گے۔ اس سے پہلے یورپی یونین کی اقتصادی کمیٹی نے موجودہ حکومت پر یہ شرط رکھی تھی کہ اگر آسیہ مسیح کو رہا کرتے ہیں تو ہم پاکستان کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دیں گے، ورنہ نہیں۔ ان کے اس مطالبہ کو مانتے ہوئے موجودہ وزیراعظم نے اس کو رہا کرا کر باعزت طریقے پر اس کے پسندیدہ ملک بھجوا دیا۔

اسی طرح عبدالشکور قادیانی جس نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون کی خلاف ورزی کی اور اس کو عدالت نے پانچ سال کی سزا سنائی تو صدر ٹرمپ نے یہ مطالبہ کیا کہ اس کو رہا کیا جائے، ابھی

اس کی سزا باقی تھی، لیکن موجودہ حکومت نے نہ صرف اس ٹرمپ کے مطالبہ کو مانا، بلکہ اُسے اس کے دربار تک بھی پہنچایا، اس کے وہاں پہنچنے پر صدر ٹرمپ نے کہا کہ میں نے اس کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس عبدالشکور قادیانی نے پاکستان کے خلاف جو زبان درازی کی اور جو اتہامات لگائے' وہ اس کی زبانی پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔

ان حالات میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارا ملک آزاد ہے؟ یا ہم آزاد رہ کر اپنے ملک کی پالیسیاں بناتے ہیں؟

''آئی ایم ایف'' نے صرف پاکستانی عوام پر مزید ٹیکس لگانے کا ہی نہیں کہا، بلکہ اپنے دو نمائندے اسٹیٹ بینک کا چیئرمین باقر رضا اور ایف بی آر کا چیئرمین شبر زیدی بھی پاکستان بھیجے جو معاشی معاملات کو نہ صرف کنٹرول کررہے ہیں، بلکہ پاکستان کی معاشی اور تجارتی پالیسیاں بھی وہ حکومتِ پاکستان کو بنا کر دے رہے ہیں۔ان کی سخت اور سمجھ میں نہ آنے والی پالیسیوں کی بنا پر پوری تجارتی برادری سراپا احتجاج ہے، کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے، روپے کی قدر بہت گر چکی ہے، ڈالر آسمان سے باتیں کررہا ہے، بیرونی قرضوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے، ملک میں مہنگائی کا ایک طوفان ہے، جو کسی بھی اعتبار سے تھمنے میں نہیں آرہا۔ابھی شنید ہے کہ ۲۰-۲۰۱۹ء کے رواں مالی سال میں بجلی، گیس اور ٹیکسوں میں اضافے اور روپے کی قدر میں کمی کے باعث مہنگائی میں ۱۲ فیصد مزید اضافہ ہوگا، یعنی اس وقت ۱۵ فیصد مہنگائی ہوچکی ہے اور مزید ۱۲ فیصد تک مہنگائی کی نوید سنائی جارہی ہے۔ پاکستان کی شرح نمو' دوعشاریہ آٹھ فیصد ہے، حالانکہ سابق وزیر داخلہ احسن اقبال کے بقول جب ہم نے حکومت چھوڑی، اس وقت پاکستان کی شرح نمو پانچ عشاریہ آٹھ فیصد تھی، اور یہ حکومت اگر پورے پانچ سال اور لگالے تو ان پالیسیوں کے نتیجے میں وہ اس شرح نمو کو نہیں پہنچ سکتی۔ جب کہ بنگلہ دیش جو ہمارے ملک کا حصہ تھا، اس کی اب شرح نمو آٹھ فیصد اور ہمارا پڑوسی ملک جو ابھی تک جنگ زدہ ہے، اس کی شرح نمو ہم سے زیادہ تین عشاریہ پچاس فیصد ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کتنا پتلی ہے، اسی بنا پر معاشی ماہرین کہہ رہے ہیں کہ دو سال میں مزید ۲۰ لاکھ لوگ بے روزگار ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ حکومت بجائے اس کے کہ پاکستان کو ترقی کی طرف لے جائے، اُلٹا پاکستان کو ہر طرف اور ہر اعتبار سے نیچے لے جارہی ہے، جب کہ حکومت میں آنے سے پہلے وزیراعظم عمران احمد خان صاحب نے کہا تھا کہ: ہم آئی ایم ایف کے پاس نہیں جائیں گے، ہم بیرونی قرضے نہیں لیں گے، ہم ایک کروڑ لوگوں کو نوکریاں دیں گے، پچاس لاکھ گھر بنا کر غریبوں کو دیں گے، غربت کا

خاتمہ کریں گے، بجلی، گیس، تیل اور خورد ونوش کی اشیاء کی قیمتیں کم کریں گے۔ وفاقی وزیر جناب فیصل واوڈا صاحب نے بڑے فخر وانبساط کے ساتھ قوم کو یہ خوش خبری دی تھی کہ حکومتی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجے میں قوم کو لاکھوں روزگار کے مواقع ملیں گے۔ اب اس کے برعکس وفاقی وزیر سائنس وٹیکنالوجی جناب فواد چوہدری صاحب فرمارہے ہیں کہ: عوام حکومت سے نوکریاں نہ مانگے، حکومت تو خود چار سو محکمے ختم کرنے جارہی ہے۔ گویا اس حکومت کی سوا سال کی کارکردگی بس اتنی ہے کہ اس نے سیاسی مخالفین کی گرفتاری، زبان بندی اور ان کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ یہ حال ہے اس حکومت کے اپنے ہی منشور کی دھجیاں اُڑانے کا۔

اُدھر وزیراعظم جناب عمران احمد خان نیازی صاحب جب بھی کسی غیر ملکی دورہ پر جاتے ہیں تو پاکستان کے اہلِ سیاست، اہلِ تجارت اور پاکستان کے اداروں کے بارہ میں ایسے بیانات دیتے ہیں کہ بیرونی دنیا کے لوگ بجائے پاکستان میں تجارت کی طرف راغب ہونے کے یا پاکستان پر اعتماد کرنے کے اُلٹا جو پاکستان میں سرمایہ لگا چکے ہیں یا لگانا چاہتے ہیں، وہ بھی اپنا سرمایہ نکال رہے ہیں یا پاکستان سے دور ہورہے ہیں۔ ایسے حالات میں کون یہاں سرمایہ لگائے گا؟ کون پاکستان پر اعتماد کرے گا، اور ملک کی اقتصادی صورت حال کیسے درست ہوگی؟!

اسی لیے تمام اپوزیشن جماعتیں پاکستان کی اس بگڑتی ہوئی اقتصادی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ رہی ہیں کہ آج اگر اس زبوں حال معیشت کو سہارا نہ دیا گیا تو آنے والے سالوں میں معاشی صورت حال اتنا خراب ہوجائے گی کہ اس کو اُٹھانا اور سہارا دینا کسی کے بس میں نہیں رہے گا۔ اس لیے مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور دوسری اپوزیشن سیاسی جماعتیں آزادی مارچ کررہی ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکومت دھاندلی زدہ الیکشن کے نتیجے میں لائی گئی ہے اور ان کو بیرونی طاقتوں کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے لایا گیا ہے، ملک کی بگڑتی صورت حال کو سنبھالنے کی ان میں صلاحیت نہیں، اس لیے ان سے جان چھڑانا ضروری ہوگیا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومتی وزراء اور افراد ایسی عوام دوست پالیسیاں بناتے جن کو دیکھ کر عوام خوشحال ہوتی، پاکستان ترقی کرتا ہوا نظر آتا، اُلٹا عوام سے کیے گئے تمام وعدوں سے انحراف کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ بڑا لیڈر ہو نہیں سکتا جو یوٹرن نہ لے (یعنی وعدے سے مکر نہ جائے)، حالانکہ قرآن کریم میں ہے:

''وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا'' (بنی اسرائیل:۳۴)

ترجمہ: ''اور پورا کرو عہد کو، بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔''

.....

آج کشمیر کی جوصورت حال بنی ہوئی ہے، وہ بھی ہماری حکومت کی غلط پالیسیوں اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ اول تو ۷۲ سال سے پاکستانی حکومتوں نے اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر جو تکیہ اور بھروسہ کیا ہوا ہے، حالات نے بتادیا کہ وہ صحیح نہیں، اس لیے کہ اقوامِ متحدہ نے کبھی بھی مسلمانوں کے حق میں کوئی بہتری کا کام نہیں کیا۔ جہاں بھی معاملہ مسلمانوں کا ہوا تو اقوامِ عالم بظاہر بے حس اور متعصب ہی نظر آئی ہے۔ آئے دن انڈیا پاکستانی سرحد پر بمباری کرتا ہے اور عام شہریوں کو شہید کرتا ہے، لیکن اقوامِ متحدہ، انٹرنیشنل لاء سیکورٹی کونسل اور بین الاقوامی عدالتیں یوں لگتا ہے کہ سب یا تو خوابِ خرگوش میں ہیں یا بے بس ہیں، بلکہ امریکہ اور انڈیا مسلمان دشمنی میں ایک جیسے اقدامات ہی کرتے نظر آتے ہیں۔

دوسری طرف جب پاکستان کا وزیراعظم کہے گا کہ مودی الیکشن میں کامیاب ہوجائے گا تو کشمیر کا مسئلہ حل ہوجائے گا، جب کہ اس مودی نے اپنے منشور میں لکھا ہوا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا کہ اگر مجھے دوتہائی اکثریت مل گئی تو جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کردوں گا اور اس کو انڈیا میں ضم کردوں گا اور اس نے الیکشن میں کامیابی کے بعد اس کی خصوصی حیثیت ختم کردی، تو قوم کو بتایا جائے کہ کیا یہی کشمیر کے مسئلہ کا حل ہے جس کی پاکستانی وزیراعظم نوید دے رہے تھے؟! اگر یہی حل ہے تو پھر کشمیری عوام کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کا کیا معنی ہے؟ یا یہی معنی ہے کہ مقبوضہ کشمیر انڈیا کا حصہ ہے، ہم نے اس سے ہاتھ اُٹھالیے ہیں اور اب کشمیری عوام انڈیا کے شہری ہیں اور انڈیا بس اتنا کرے کہ ان پر سے کرفیو اُٹھادے اور ان کو رہن سہن اور کاروبار کی اجازت دے۔ اگر یہی مطلب ہے تو کیا یہ ۷۲ سالہ پاکستانی موقف کے سراسر خلاف نہیں؟! کیا یہ کشمیری عوام کی اُمنگوں کے خلاف موقف نہیں؟!

اب کشمیر پر تو یہ صورت حال ہے کہ پوری قوم اپنے کشمیری بھائیوں پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کے خلاف سراپا احتجاج ہے، لیکن ہماری پاکستانی حکومت انڈیا کے ساتھ کرتارپورہ بارڈر کھولنے کی طرف گامزن ہے، بلکہ ۹ رنومبر ۲۰۱۹ء کو بارڈر کھولنے کا افتتاح بھی کررہی ہے، پہلے کہا جارہا تھا کہ یہ بارڈر صرف سکھوں کے مقدس مقامات تک آنے جانے کے لیے استعمال ہوگا، لیکن اب جس معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں، اس میں یہ تحریر ہے کہ تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے انڈین کرتارپورہ راہداری سے آجاسکیں گے، گویا وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا کہ سکھوں کی آڑ میں دراصل قادیانیوں کو نوازا جارہا ہے، کیونکہ اس راستہ پر قادیان بہت قریب پڑجاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول ''قادیانی اکھنڈ بھارت کے قائل ہیں'' اور شروع دن سے یہ پاکستان کے خلاف اور پوری دنیا میں پاکستانی قوم اور حکومت کے خلاف مشکلات کھڑی کرتے آئے ہیں، ان حالات میں بھی ان کے لیے

راہداری کھولنا یہ قادیانیت نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟ معلوم یوں ہوتا ہے کہ امریکی صدر ٹرمپ نے بھارتی وزیراعظم مودی اور پاکستانی وزیراعظم جناب عمران خان صاحب کو ڈیوٹی پر لگایا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی بھی کرتے رہیں اور میرے احکامات پر عمل بھی کرتے رہیں، اس لیے کہ آج کل امریکہ بہادر قادیانیوں کے لیے بڑی نوازشات کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پاکستانی قوم کو سوچنا چاہیے کہ یہ پاکستان اور پاکستانی قوم کے ساتھ کیا کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔

آج امریکہ، انڈیا اور اسرائیل تینوں ممالک مسلم دشمنی میں سب سے آگے ہیں اور تینوں مل کر ہمارے ملک کی اقتصاد، معیشت، امن وامان اور کشمیری مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی کو خراب اور ضائع کرنے پر متفق ہیں اور ہماری حکومت ہے کہ ان کے بنائے گئے مذموم مقاصد کو سمجھنے سے شاید قاصر ہے۔

.....

اس حکومت نے جس طرح آسیہ ملعونہ سمیت تین مجرموں کو جیلوں سے آزاد کرا کر باہر ملک بھیجا ہے، اسی طرح اس حکومت نے یہ بھی کوشش کی تھی اور اب بھی اس کا خطرہ ہے کہ ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت کے تحفظ کے قانون کو غیر مؤثر کر دیا جائے۔ اولین کوششوں میں اس کے لیے انہوں نے سینیٹ میں بل بھی پیش کر دیا تھا، مگر سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری صاحب کے بروقت اقدام اور ڈٹ جانے کی وجہ سے انہیں وہ بل واپس لینا پڑا۔

اب سنا ہے کہ حکومت مدارس اور اسکولوں کے یکساں نصاب بنانے کے خوش کن منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔ نیا نصابِ تعلیم مرتب ہو رہا ہے، اور لگ یوں رہا ہے کہ یہ سب کچھ بھی بیرونی ایجنڈے اور ان کے حکم پر ہی ہو رہا ہوگا اور شنید یہ بھی ہے کہ نصاب مرتب کرنے والوں میں اکثریت غیر علماء کی ہے، تو بتایا جائے کہ یہ کیسا نصاب ہوگا؟ اور کیا یہ اسلامی معاشرہ کے تقاضوں کو پورا کرے گا؟ اس بارے میں علمائے کرام اور بطور خاص وفاق المدارس العربیہ اور اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کو توجہ دینے اور اپنا لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس رہے سہے دینی نظام سے بھی پاکستانی قوم فارغ ہو جائے اور اس وقت ہم کچھ کرنا بھی چاہیں تو نہ کر سکیں۔

آج ہم نظریۂ پاکستان کو نظر انداز کرنے اور اپنے آئین وقانون کی خلاف ورزیوں کی بنا پر بیرونی مالیاتی اداروں اور استعماری قوتوں کے شکنجوں کی وجہ سے ایسے گمبھیر، پیچیدہ اور ایسے خوفناک مسائل کا شکار ہو چکے ہیں کہ جن سے نکلنے کی راہ بظاہر نظر نہیں آ رہی، ایسے حالات میں تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں اور ہمارے ریاستی و پالیسی ساز اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنی اغراض، خواہشات، مفادات اور اپنی اناؤں سے بالاتر ہو کر، باہر سے کوئی ڈکٹیشن لیے بغیر صرف اور صرف ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر

نظریۂ پاکستان اور پاکستان کے آئین کی روح کے مطابق کوئی پالیسی بنائیں تو امید ہے کہ پاکستانی قوم اور ہمارا ملک اس مہلک بھنور سے نکل سکتا ہے۔

اس کے لیے ہماری دانست میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے ملک سے سود کو بالکلیہ ختم کیا جائے، اس لیے کہ جب تک ہم سود دیتے اور لیتے رہیں گے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب کی مختلف شکلوں میں مبتلا رہیں گے، جس سے نکلنے کی راہ سود سے چھٹکارے کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتی۔

۲:- اسلامی نظریاتی کونسل کی بھیجی گئی تمام سفارشات کو آئین وقانون کا حصہ بنایا جائے، تاکہ پاکستان اپنی تشکیل کے مقاصد کی طرف گامزن ہو سکے۔

۳:- تھانہ، کچہری اور عدالت کے نظام کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے۔ اس لیے کہ اور مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ سانحہ ساہیوال جہاں دن دیہاڑے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے سامنے ان کے ماں باپ کو پولیس فورس کے ''بہادر جوانوں'' نے گولیاں مار کر شہید کیا، ان کی ایف آئی آر کاٹی گئی، لیکن ملزمان کو شک کا فائدہ دیتے ہوئے عدالت نے بری کر دیا، اگر یہ ملزمان قاتل نہیں تو ان بچوں کے ماں باپ کو کس نے قتل کر کے شہید کیا؟ اس کا پتا چلانا اور بچوں واُن کے ورثاء کو انصاف دلانا حکومت اور عدالت کا کام ہے یا نہیں؟

۴:- ہمارے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم کو اسلامی تہذیب کا آئینہ دار بنایا جائے۔

۵:- مہنگائی کو روکا جائے، قیمتوں میں اضافہ واپس لیا جائے اور تاجر برادری کے ساتھ بیٹھ کر ان کے لیے کوئی آسان، واضح اور قابل قبول ٹیکسوں کی وصولی کی صورت نکالی جائے۔

۶:- ملکی خزانہ، ایف بی آر اور تمام بڑی پوسٹوں پر صرف اور صرف خدا ترس، باصلاحیت اور پاکستانی قوم کے مفاد کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے پاکستانی افراد کو بٹھایا جائے۔

۷:- مدارس کی آزادی وخودمختاری کا تحفظ کیا جائے۔

۸:- آئین میں موجود تمام اسلامی دفعات کا تحفظ کیا جائے۔

۹:- قادیانیت کی فتنہ پردازیاں روکی جائیں اور ان کی پشت پناہی نہ کی جائے۔

۱۰:- اور تمام اداروں کو اپنی اپنی حدود اور قیود کا پابند کیا جائے۔ ان ابتدائی اصلاحات کے نتیجے میں ان شاء اللہ! ہمارا ملک خوش حال بھی ہوگا اور اسلامی دنیا کی راہبری اور راہنمائی کا ذریعہ بھی بنے گا۔ **إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا باللّٰه عليه توكلت وإليه أنيب.**

وصلى اللّٰه تعالٰى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ ....

شرعی اصطلاحات... ضروری تنبیہ!

ایمان وکفر، نفاق والحاد، ارتداد وفسق

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح نماز، زکاۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام وعبادات ہیں اور دینِ اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق متعین ہیں، قرآن وحدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح ومسلم ہوچکی ہیں اور چودہ سو سال میں اُمتِ محمدیہ اور اس کے علماء ومحققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں اس تواتر و توارثِ عملی نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔

ان عبادات واحکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقیناً دین سے کھلا ہوا انحراف ہے۔ ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں۔ دینِ اسلام میں ان کے بھی مخصوص ومتعین معنی اور مصداق ہیں۔ قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قطعی طور پر ان کی تعیین وتحدید فرمادی ہے۔ ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی ومصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہوگا اور ان کو از سرِ نو محلِ بحث ونظر بنانا اور اُمت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنی اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کرکے اُن سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد وزندقہ ہوگا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے۔ جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں اس کا نام کفر ہے اور وہ شخص کافر ہے۔ جس طرح ترکِ نماز، ترکِ زکاۃ، ترکِ روزہ اور ترکِ حج کا نام فسق

ہے، بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو، صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو۔ اور اگر انہی تعبیرات، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف ومتواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔ قرآن کریم نے ان الفاظ کفر، نفاق، الحاد، ارتداد کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا، یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علماء اُمت کا فریضہ ہے کہ وہ اُمت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے، اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔

نیز علماء امت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود وتفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفر یہ عقائد واعمال وافعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جا سکے اور نہ کسی کافر کو مومن ومسلمان کہا جا سکے، ورنہ اگر کفر وایمان کی حدود اس طرح مشخص ومتعین نہ ہوئیں تو دینِ اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت وجہنم افسانے۔

یاد رکھئے! اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے، اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے تو پھر ایمان واسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو نہ مسلمان، رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے، تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے، پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہوگا کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہ کافروں کی اور یہ تو اسلامی حکومت ہے اور وہ کفریہ حکومت ہے، پھر تو حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہوگی۔ غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد تو اسلامی حکومت کا دعویٰ ہی بے معنی ہوگا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لیے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر کچھ بھی ہو رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم وتحقیق سے کام لیں اور ملحد وزندیق پر الحاد وزندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن وحدیث کی نصوص وتصریحات کی رو سے

اسلام سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، قیامت نہ آجائے۔

چونکہ کفر واسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور فکر ورائے میں غلطی بھی کرسکتا ہے، اس لیے علماء امت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً حقیقت پر مبنی اور شک وشبہ سے بالاتر ہوجائے گا۔

بہرحال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام واوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال وافعال پر مبنی ہوتے ہیں، نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں، ان کو سب وشتم اور ان احکام کے لگانے کو دشنام طرازی کہنا یا جہالت ہے یا بے دینی، ہاں! کوئی شخص غیظ وغضب کی حالت میں یا ازراہِ تعصب وعناد کسی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ بے شک گالی ہے اور یہ گالی دینے والا خود فاسق ہوگا اور تعزیر کا مستحق اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو کافر کہہ دے تو یہ کہنے والا خود کافر ہوجائے گا۔

علماء حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت ایک کافر کو کافر بتلانے والے اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے آگاہ کرنے والے ہوتے ہیں، نہ کہ اس کو کافر بنانے والے، کافر تو وہ خود بنتا ہے۔ جب کفریہ عقائد یا اقوال وافعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا، تو وہ باختیارِ خود کافر بن گیا، لہٰذا یہ کہنا کہ مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے؟! سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علماء ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لیے فوجی طاقت اور دفاعی سامانِ جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہو، اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے دین وایمان کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا علماء حق اور فقہاء اُمت کے ذمہ فرض ہے۔

ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومتِ پاکستان نے جہاد کا اعلان کیا اور پاکستان کی افواجِ قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ پاکستان ''اسلامی حکومت'' نہیں ہے اور یہ لڑائی اسلامی

جہاد نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دار الاسلام ہے جس طرح پاکستان۔ اسلامی قانون نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں، مسلمان وہاں بھی رہتے ہیں، یہاں بھی۔ بھارت کو یہ کہنے کا موقع کیوں ملا؟ صرف اس لیے کہ نہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہے اور نہ اسلامی معاشرہ موجود ہے۔

یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقع پر فائدہ اُٹھایا، اگر اس ملک کے اندر نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی امت (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سو سالہ اسلامی عبادات ومعاملات کے نقشہ کو مٹا ڈالنے والا اور جنت دوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قرآن کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا، سنتِ رسول کو ایک تعاملی اصطلاح اور رواجی قانون بتلانے والا، سود کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتا کر حلال کرنے والا بھی نہ صرف مسلمان ہے، بلکہ اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو زرد وزی کے سنہری حروف میں لکھوانے سے قرآن کی حفاظت قیامت تک نہیں ہوسکتی اور یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ملحدین مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ قرآن مجید اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں، پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے، یہ تو مسلمانوں کے لیے ایک علمی قانون ہے، عمل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ باہمی رضامندی سے زنا کو جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ بینکاری سود کو شیرِ مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے۔ ریس کورس جیسی مہذب قمار بازی کے، شراب کی درآمد وبرآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جارہے ہیں۔ نکاح وطلاق وراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے۔ جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا۔ غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر قانون سازی کا سلسلہ جاری ہے اور زردوزی کے سنہری حرفوں میں لکھوا کر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جارہا ہے۔ نہایت صبر آزما حقائق ہیں۔

آخر مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ اتنے واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہوگئی؟

اللّٰھم اھد قومي فإنھم لایعلمون

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہاولنگر ، ۲۴ جمادی الثانیہ

مخدوم ومحترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب **دام مجدھم**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قبل ازیں حج کے مفروض تصور میں ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں، اور اس مضحکہ خیز جنوں کی افروختگی میں وہاں کے لیے ایک سفارشی خط لکھ دینے کی درخواست بھی پیش کر چکا ہوں، یہ دورہ ہر سال پڑتا ہے اور مایوسی پر ختم ہو جاتا ہے، اس لیے آپ اس کو ایک خوش کن خواب سے زیادہ نہ سمجھیں۔

اس وقت باعث تکلیف دہی یہ ہے کہ آج کل آئینِ اسلامی کی ترتیب کا مسئلہ یہاں کی فضا میں گونج رہا ہے، کراچی کے قیام میں، میں نے اس سے پہلو تہی اختیار کر لی تھی، ارادہ یہاں بھی یہی ہے، لیکن اگر یہ ذمہ داری گلے پڑ گئی تو پھر اپنی قدرت کے بقدر اس کو پورا کرنا بھی اسلامی فرض ہے، اس قحط الرجال کے دور میں اپنی علمی سراسیمگی کے باجود شاید اعانت سے پورے طور پر دست کش ہو جانا بھی شرعاً جائز نہ ہو، اس لیے اس سلسلہ میں جو تفصیلی مشورہ دے سکیں اس سے مطلع فرمائیں، یعنی کن کتب کا اور کن ابواب کا مطالعہ مفید ہوگا؟ جہاں تک ممکن ہو، مآخذِ متداولہ تحریر فرمائیں، نوادر سے استفادے کے لیے بڑے وسیع کتب خانے کی ضرورت ہے، مصر اور عرب کا آئین مل سکے یا اس سلسلہ کی کوئی تصنیف ہو تو کسی صاحبِ معرفت شخص کو لکھ دیں کہ وہ اس کا ایک نسخہ میرے نام کراچی ارسال کر دیں۔

بمبئی اور سورت کے کتب خانوں کی ایک مفصل فہرست بھی درکار ہے، ابھی ایک ماہ میرا یہاں اور قیام ہے، اس کے بعد ان شاء اللہ! کراچی واپسی کا قصد ہے، اس لیے یہ فہرستیں مہیا فرما کر یہیں ارسال کردیں، یا ان کے مالکین کو میرا بہاولنگر کا پتہ تحریر فرمادیں، اور تاکید کردیں کہ وہ ایک ایک فہرست اس حقیر کے نام ارسال کردیں، تاکہ اس موضوع کے لیے مفید کتب کا انتخاب کیا جاسکے۔ علماء کے فقدان، ترتیب وتاسیس کی بے مناسبتی اور سرعتِ انتقالِ ذہنی کی کمیابی نے اس مرحلہ کو بڑا دشوار گزر کردیا ہے۔

وسعت اور رسوخِ علمی کا تو کہنا ہی کیا! یہ باب تو مدت ہوئے تقریباً معدوم ہو چکا ہے، ان حالات میں اس سلسلہ میں تداخل بڑی جرأت ہے، اور اس لیے آج تک کنارہ کش ہی رہا اور اب بھی یہی قصہ ہے، لیکن اگر ناتمام علماء کی آراء نے آئینِ اسلامی کو بازیچۂ اطفال بنالیا تو پھر مداخلت ناگزیر ہوگی، اس لیے پہلے سے تیاری ضروری ہے، اور اگر اللہ مع نیت خیر عطا فرمائے، تو اس وقت کی بہترین عبادت بھی یہی ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ وقت سے پہلے ان ابواب سے کچھ روشناس ہوجاؤں، ان سیاساتِ اسلامیہ پر جو جدید تصنیفات ہوئی ہیں، ان کے نام سے بھی یہاں کوئی آشنا نہیں، ان کتابوں کا وجود تو درکنار، اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کی تصانیف بھی ہیں، اور دیگر علماء نے بھی مستقلاً تصانیف لکھی ہیں، مگر پہلی زندگی میں ان کے نام ہی دیکھے تھے، اب وہ بھی ذہن میں نہیں ہیں، اور نہ کوئی فہرست سامنے ہے، اس لیے آپ اگر تکلیف گوارا فرما کر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیں تو باعثِ مشکوری ہوگا، ڈابھیل کے مدرسہ میں بھی کچھ رسائل اس موضوع کے ہیں، غالباً مجلسِ علمی میں بھی ہوں گے، ان میں سے کچھ منتخب کتب کے نام معلوم ہوجائیں تو اکٹھے استفادے کی صورت نکالی جائے۔

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بندہ حقیر محمد بدر عالم عفی عنہ

بہاولنگر، تھیلی بازار، یوم الاثنین

صاحب المجد والکرم جناب مولانا مولوی محمد یوسف صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ مع الخیر ہے، ملفوف موصول ہوکر کاشفِ حالات ہوا۔ مکرمی! بندہ کی عمر اب آخر ہے، اور ہر شمع علم بھی ٹمٹماتی نظر آرہی ہے، اب میرے سامنے سوال مروت ومصلحت کا نہیں ہے، وأنّی أولئک!

سب کی حقیقت معلوم کر چکا ہوں، میرے سامنے بھی مدتوں مراقبے کرنے والے وقت نکل جانے کے بعد شیر کی طرح گرج چکے ہیں۔ بہرکیف! یہ طویل داستان ہے، **ولسنا نخوض فیه**، جو کچھ آپ سے عرض کیا گیا ہے وہ آئندہ سال ہی کے لیے ہے، لیکن کم ازکم آپ سے استمزاج پہلے سے ضروری ہے، علمی نمو کی یہاں بھی اتنی زیادہ امید نہیں ہے، تاہم ایک سعی ہے، شاید یہ بارآور ہوجائے، مایوسی صرف اس بنا پر ہے کہ اب وہی روحِ رشیدی وقاسمی پھر چاہیے اور وہی مفقود ہے، وإلّا سامان سب مہیا ہیں۔ کسی بے بنیاد یا ضعیف بنیاد پر معروضہ پیش نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ان شاء اللہ! ایک مستقل اور بظاہر مستحکم صورت مکمل ہوجانے پر یہ جرأت کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علم تقریباً فنا ہو چکا ہے، حاسدین پہلے سے اس تاک میں تھے اور اس کے حاملین خود بخود بے حظ ہوتے جاتے ہیں۔ آپ جیسے زندہ اشخاص کے ذریعہ امید ہے کہ شاید یہ لکیر کچھ دن اور پیٹ لی جائے۔ میں بحمداللہ مردہ دل تو نہیں ہوں، لیکن میرے پاس بظاہر اب عمر قصیر ہے، اور ''**فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَإِلٰى رَبِّکَ فَارْغَبْ**'' کی آواز کانوں میں آتی ہے، اس لیے اب زیادہ جدوجہد کی ہمت نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر رفیق اپنے ساتھ لگائے رکھیں تو کچھ دن اور گھسٹ چلوں۔ یہ جو کچھ عرض کیا جارہا ہے نہ کسی حسن ظنی اور نہ کسی تملُّق کی بنا پر، بلکہ اپنی کوتاہ نظر کے موافق ضرورت اور حقیقت کی بنا پر، اس دورِ انحطاط میں نسبتاً یہاں کچھ نہ کچھ ترقی کی امید زیادہ ہے۔ صاحب ''**فتح الملهم**'' سے بھی اس باب میں تذکرہ آچکا ہے، رہا آپ کا تالیف وتدریس کا تقابل تو میرے نزدیک یہ ''مقامات'' کے چھٹے مقامے جیسی بات ہے، جس میں قلم، کاتب اور محاسب کا مقابلہ مذکور ہے۔

مکرمی! میرے نزدیک اگر کسی عالم کا وجود کسی گوشہ میں مفید ہو تو اس کو اس جگہ سے منتقل ہونے کا مشورہ دینا خیانت ہے، میں وہاں کے زریں دور کا تجربہ کر چکا ہوں اور یہ حق الیقین رکھتا ہوں کہ اس فضا کے لیے ایک عالم لایَعْقِل بھی کافی ہے، بل فوق الکاف، یہاں ہمیں جس پیمانے پر کام شروع کرنا ہے اس کی تفصیلات سن کر آپ کچھ دیر کے لیے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت مسرور ہوں گے، جو تمنائیں اب تک مراکز میں پوری نہیں ہوسکیں وہ یہاں بنیادی طور پر ضروری ہوں گی۔ میں عنقریب ایک نصاب مرتب کرنے والا ہوں، اگر آپ بھی اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں تو میرا بڑا بار ہلکا ہوجائے گا۔ اس بارے میں اصحابِ رائے بہت کم ہیں، مردم شماری کے لیے تو رفقائے کار موجود ہیں، لیکن وہ اصحاب درکار ہیں جن کو یہ دھن لگی ہوئی ہو۔ میں چاہتا ہوں ایک نقشہ مکمل ہونے سے قبل اس کو بلند سے بلند معیار کے مطابق مکمل کرلیا جائے، ورنہ پھر سرِنو اس کو اُدھیڑنا مشکل ہوگا۔ تدریس کے ساتھ

اگر کسی کو تالیف کا شوق ہوگا تو اس کے لیے بھی کافی سے زیادہ مواقع موجود ہیں، بلکہ میرا خیال خود یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک مجموعہ نصاب ہی کے متعلق کیوں نہ تیار کیا جائے؟! افسوس ہے کہ اگر آپ اس وقت میرے شریک کار ہوتے تو بہت سے مراحل طے ہو جاتے، لیکن اب جو کچھ مشورہ مل جائے وہی غنیمت ہے، اس میں تساہل نہ فرمائیں، ورنہ بعد میں شاید آپ کو بھی تأسف ہو۔ اگر ابتدائے سال سے بلکہ شعبان سے آپ کی رائے معلوم ہو جائے تو پھر ہم سب مل کر اسی ماہ سے علمی مستقبل تعمیر کرنے کے لیے جدو جہد شروع کر دیں۔ یہاں مقصد صحیح مخاطبین کو جمع کرنا اور ان کو پیدا کرنا ہے، اور ایک ایسا نصابِ تعلیم بنانا ہے جو گزشتہ نقصانات کی تلافی کر سکے۔ یہ جملہ امور بالتفصیل عرض کرنا باعثِ تطویل ہے اور غیر ضروری بھی، آپ جن امور میں ابہام سمجھیں یا تشریح ضروری سمجھیں خود استفسار فرمالیں، باقی بندہ کے مزاج سے آپ آشنا ہیں۔ کبھی کوئی پیچیدہ بات پسند ہی نہیں کرتا، اگر آپ کا تسلی بخش جواب آجائے تو ذمہ داران سے بات کر کے آپ کو عریضہ تحریر کر دوں۔

حکیم ...صاحب ...(سے دوا وصول کر کے) ارسال فرمائیں، .....اور اسی طرح کے کاغذ میں رکھ کر اس پر صرف ''دوا'' کا لفظ لکھیں، دوسرے خط میں اس کی قیمت تحریر فرمادیں، وہیں کسی صاحب کو لکھوں گا، آپ کو ادا کر دیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کسی صاحب سے مراد دوست نہیں، بلکہ اپنے عزیز ہیں۔ آپ کے دل میں تو یقیناً اس سے زیادہ کی بھی وسعت ہونی چاہیے، مگر کیا مجھے بھی اس سے اسی وسعت کے ساتھ استفادہ کر لینا مناسب ہوگا؟! یہ محلِ تامل ہے۔

''**الفتح الرباني**''[1] میں ایک حدیث کے الفاظ میں ہے: ''**فلا أجد قلبي يعقل عليه**''[2] صحابیؓ کا یہ فقرہ قرآن شریف کے متعلق ہے، اس پر آپ کا جواب یہ ہے: ''**إن قلبك حُشِيَ الإيمان، (وإن الإيمانَ يُعْطَى العبدَ) قبل القرآن**''[3] اس کا مطلب کچھ سمجھ میں آجائے تو لکھیے۔

آفتاب سلمہٗ سلام عرض کرتا ہے، فقط۔

حواشی

۱:- الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني، شیخ احمد عبدالرحمٰن بنّا ساعاتی رحمہ اللہ کی کتاب ہے، جس میں مسند احمد کی احادیث کو ترتیب دیا گیا ہے۔

۲:- مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما: ۱۱/ ۱۷۷، رقم الحدیث: ۶۶۰۴۔

۳:- بریکٹ میں درج عبارت اصل خط میں لکھنے سے رہ گئی ہے، یہ جملہ بھی مذکورہ حدیث کا جزء ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے تلاوتِ قرآن کریم کے وقت اپنی کیفیت بتلائی تو جواب میں آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

ایک دیانت دار منتظم.. باکمال مدرس.. عظیم الشان مربی

مفتی عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند، انڈیا
حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(دوسری اور آخری قسط)

آپؒ کی شجاعت و بلند ہمتی اور دارالعلوم کی حفاظت کے لیے بے مثال قربانی

حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب توکل علی اللہ اور بلند ہمتی و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے، آپ نے دارالعلوم کی حفاظت اور اس کے مقام و وقار کو بچانے کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، ان کی بلند ہمتی اور دارالعلوم کے لیے قربانی کا ایک سبق آموز واقعہ درج کیا جارہا ہے:

''بروز بدھ بتاریخ ۱۵؍ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۳ء تقریباً بارہ افراد پر مشتمل ایک شرپسند ٹولے (جن کا اپنی شرارتوں کی وجہ سے دارالعلوم سے اخراج ہوگیا تھا) نے دارالعلوم پر قبضہ کرنے کے لیے ظہر کی نماز کے بعد مسلح حملہ کردیا، اور جنوبی دروازہ سے جو معراج گیٹ کے نام سے پہچانا جاتا ہے ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے داخل ہوگئے اور پورے دارالعلوم میں بکھر گئے، جس سے سخت خوف و ہراس پھیل گیا، اس موقع پر حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ جن کی عمر اُس وقت تقریباً ۴۷ سال تھی اپنے کمرے میں موجود تھے، انہوں نے نہ تو اپنا کمرہ بند کیا اور نہ ہی کسی خوف و ہراس میں مبتلا ہوئے، بلکہ صرف اپنی چھڑی کے ساتھ اس شرپسند مسلح جماعت کے مقابلہ کے لیے باہر نکلے، اور اتفاق سے شرپسندوں کا سرغنہ ان کے سامنے آیا جس کے ہاتھ میں فائرنگ کے لیے تیار پستول موجود تھا، حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے بلاخوف وخطر اپنی چھڑی سے اس پر وار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے فرمایا: ''اے مفسد! ان شاء اللہ! تم ناکام و تباہ ہوجاؤ گے۔'' وہ خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگا، دوسری طرف سے

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب فرزند شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قُدّس سرُّہٗ اپنی لائسنس یافتہ بندوق کے ساتھ شرپسندوں کے مقابلہ کے لیے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور جناب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ و مدیر ماہنامہ دارالعلوم اور طلبۂ دارالعلوم کے ساتھ مل کر اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ راقم الحروف دارالعلوم کی مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ تازہ تازہ تدریس کی خدمت پر بھی مامور ہوگیا تھا، وہ بھی بتوفیق اللہ خاموش نہیں رہا، بلکہ اپنے کمرہ نمبر:۱۱ ''احاطۂ باغ'' سے بلّم کے ساتھ شرپسندوں کے مقابلہ کے لیے نکلا اور ایک شرپسند کو طلبہ کی مدد سے گرایا بھی اور بعد میں مشتعل طلبہ سے اس کی جان بھی بچائی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا معراج الحق صاحب اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب جیسے اللہ والوں کی عالی ہمتی وقربانی کی برکت سے طلبہ اور ہم جیسے بے دست و پا اور کم ہمت لوگوں میں بھی ہمت پیدا کردی اور وہ ٹولہ ذلیل ورسوا ہوکر پسپا ہوا۔''

اپنی ذاتی مصلحتوں کو دارالعلوم کی مصلحتوں پر قربان کرنا

حضرت مولانا معراج الحق صاحب دارالعلوم کے اصول وقواعد کے بے حد پابند تھے، وہ نہ تو اصول وقواعد کے برخلاف کسی رعایت ودرگزر کو درست سمجھتے اور نہ ہی قانون ونظام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سخت گیری وجواب طلبی کا معاملہ کرتے ہوئے ہچکچاتے یا ان کے ردِعمل سے گھبراتے۔ اور اس حقیقت کو تقریباً ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اصول پسند شخص کو آج کل کے سہولت پسند معاشرہ اور راحت طلب دور میں اگر مبغوض نہ سمجھا جائے تو زیادہ محبوب ومقبول بھی نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف اور اس صورت حال سے آگاہ تھے کہ وہ اصول پسندی کی وجہ سے اکثر متعلقہ افراد کی ناپسندی اور طعنہ زنی کا نشانہ بن سکتے ہیں، لیکن انہوں نے اس کے باوجود یہ طے کیا تھا کہ وہ دارالعلوم کے اصول وضوابط پر کسی سے سمجھوتہ نہیں کریں گے اور نہ ہی اپنی ذاتی مصلحتوں کو دارالعلوم کی مصلحتوں پر ترجیح دیں گے۔

چنانچہ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دارالعلوم کے اصول وضوابط پر کاربند رہے اور یکسوئی اور پوری توجہ کے ساتھ دارالعلوم اور طلبۂ دارالعلوم کی خدمت کو ترجیح دیتے ہوئے پوری زندگی تجرُّد کے ساتھ گزارکر ان علمائے کرام کی فہرست میں شامل ہوگئے جنہوں نے اپنی زندگیاں اور صلاحیتیں علمِ دین اور طلبۂ علم کی خدمت کے لیے وقف کرکے عفت و پاکدامنی کے ساتھ غیر ازدواجی زندگیوں کو اپنایا اور اپنے آپ کو بال بچوں اور اپنی نسل کی بقاء سے محروم رکھا۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے خصوصی تعلق اور ان کا ایک واقعہ

حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کے مایۂ ناز اساتذہ ومشائخ جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اور جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے پڑھ کر خوب فیض حاصل کیا اور سب سے عقیدت وتعلق رہا، اور بالخصوص شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے خصوصی فیض وتربیت حاصل کی اور ان کا شمار حضرت شیخ الادب کے خصوصی شاگردوں میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب اپنے تمام اساتذۂ کرام اور بالخصوص حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کے سبق آموز واقعات سنایا کرتے تھے، ان واقعات میں سے صرف ایک ہی عبرت آموز واقعہ بطور نمونہ پیش کیا جارہا ہے:

''شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کی تعلیمی وتربیتی نگرانی کے لیے مغرب وعشاء کے بعد دارالعلوم میں احاطۂ مسجد کے اندر جنوبی سمت میں واقع ایک کمرہ میں تشریف فرما ہوتے اور وقفہ وقفہ سے احاطۂ دارالعلوم میں گشت فرماتے، تاکہ طلبہ تکرار ومطالعہ میں مصروف اور لایعنی مصروفیات سے محفوظ رہیں، اسی دوران حضرت کا کھانا ان کے گھر سے جو دارالعلوم سے ذرا فاصلے پر واقع تھا آجاتا اور مذکورہ کمرے میں رکھ دیا جاتا اور بوقتِ فرصت حضرت اپنا کھانا تناول فرماتے۔ ایک چھوٹے سے ڈبے میں موجود ان کا سالن سردیوں میں اکثر جم جاتا اور جب کھانے کا وقت آتا تو ہم خدام حضرت سے اجازت طلب کرتے کہ ہم سالن کا ڈبہ لے کر دارالعلوم کے مطبخ میں گرم کرکے لاتے ہیں، تاکہ قابلِ استعمال بن سکے، حضرت یہ کہہ کر انکار فرماتے کہ دارالعلوم کا مطبخ طلبہ کے لیے بنا ہے، اساتذہ کے لیے نہیں، اس پر ہم عرض کرتے کہ حضرت! ہم آپ کے سالن گرم کرنے کے لیے مستقل آگ نہیں جلائیں گے، بلکہ پہلے سے جلی ہوئی آگ کے کنارہ میں تھوڑی دیر کے لیے رکھ کر واپس لاتے ہیں، حضرت ہمارے اس اصرار کے باوجود انکار فرماتے اور روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر جمے ہوئے سالن میں اس کا جمود ختم کرنے کے لیے گھماتے اور پھر اس ٹھنڈے سالن کو روٹی کے ساتھ تناول فرماتے۔''

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ الادبؒ کے مندرجہ بالا واقعہ سے ملتے جلتے اپنے اکابرین کے دیگر بھی بے شمار ایسے واقعات ہیں! اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان اکابرین کے تمام نام لیواؤں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حفظِ قرآن کی آسانی اور قوتِ حافظہ کے لیے ایک مسنون عمل کی وصیت

احقر نے ابتدائی اور متوسط درجات کی تعلیم ایک ایسے ماحول میں پائی ہے جہاں حفظِ قرآن کا معمول نہیں تھا اور حفاظِ قرآن کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا، اور جب حدیث پڑھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند پہنچایا تو اس ماحول میں احقر نے دیکھا کہ طلبہ کا ایک عام معمول یہ تھا کہ سب سے پہلے حفظِ قرآن کر کے پھر درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتے تھے، چنانچہ اسی معمول کی برکت سے صورتِ حال یہ بنی تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں میرے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں سے حفاظِ قرآن کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی، ان ساتھیوں کو دیکھ کر میری بھی یہ تمنا ہوتی کہ کاش! میں بھی اس نعمت سے سرفراز ہوتا، لیکن دورۂ حدیث کے سال اسباق کی مصروفیات کی وجہ سے اس تمنا کو پورا کرنے کی کوئی ممکن صورت نظر نہیں آتی تھی۔

فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے اساتذۂ کرام کی دعاؤں کی برکت سے دارالعلوم ہی میں مدرس کی حیثیت سے احقر کا تقرر ہوا، تدریس کے دوران میں نے محسوس کیا کہ مدرس اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو تدریس میں اُسے دقّت پیش آتی ہے، اس لیے کہ دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کا تعلق یا تو براہِ راست یا پھر بالواسطہ قرآن کریم سے جڑتا ہے، کیونکہ وہ تمام علوم کا سرچشمہ ہے، اور جب مدرس قرآن پاک کا حافظ نہ ہو تو تدریس میں اسے ایک قسم کی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ دورۂ حدیث کے سال اپنے حفاظ ساتھیوں کو دیکھ کر میرے دل میں حفظِ قرآن کا ولولہ پیدا ہو چکا تھا، اب تدریس میں حفظِ قرآن کے بغیر مشقت محسوس کرنے کے بعد اس ولولے میں اضافہ ہو گیا، اور دل نے چاہا کہ تدریس اور مسجدِ دارالعلوم کی امامت اور دارالاقامہ کے ایک حلقہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ خارجی وقت میں حفظِ قرآن شروع کروں، البتہ مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود حفظِ قرآن میں لگنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اس لیے اپنی عادت کے مطابق حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند (حال شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں مشورہ کرنے کے لیے ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا اور حفظِ قرآن کے لیے اپنی رغبت وارادے کا اظہار کیا۔ حضرت والا نے ہمّت افزائی فرماتے ہوئے میرے ارادے کی تائید فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ تم نے بہت عمدہ سوچا ہے، البتہ بچپن کی عمر کے بعد اور مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود حفظِ قرآن کے لیے ایک پختہ نظام الاوقات بنانے، مسلسل محنت اور وقت کی پابندی کی سخت ضرورت ہے۔ اگر تم مذکورہ تین شرائط کو بجالانے کے لیے تیار ہو تو میں اللہ کی توفیق سے تجھے حافظِ قرآن بنا دوں گا

اور میں ہی روزانہ تمہارا سبق اور آموختہ متعیّنہ اوقات میں سن لیا کروں گا۔

میں چونکہ حضرت والا کی خدمت میں صرف مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا، حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں تھا کہ دارالعلوم کے مایۂ ناز استاذِ حدیث اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود مجھ جیسے ناکارہ کے لیے روزانہ کی بنیاد پر وقت نکالیں گے، اس لیے میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت والا! میں تو صرف مشورہ کے لیے حاضر ہوا تھا، لیکن آپ نے میرے ساتھ اتنا بڑا احسان کا معاملہ فرمایا جو میرے تصور میں بھی نہ تھا، لہٰذا میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ نے جن تین شرائط کی نشاندہی فرمائی ہے، میں اللہ کی توفیق سے تینوں کی مکمل پابندی کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ: جاؤ، اور آج ہی سے سورۂ ''قٓ'' سے حفظ کرنا شروع کرو اور کل فلاں وقت کو ایک منٹ کی تقدیم وتاخیر کے بغیر میرے پاس آنا، میں سن لوں گا۔ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی ہدایت کے مطابق بروز یکشنبہ بتاریخ ۲۸/۲/۱۴۰۴ھ مطابق ۴/۱۲/۱۹۸۳ء سورۂ ''قٓ'' سے احقر حفظِ قرآن میں مصروف ہوگیا، اور چند ہی دن کے بعد حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحبؒ کو اپنی اس نئی مصروفیت سے آگاہ کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی، انہوں نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے کامیابی کی دعا سے نوازا، اور نظام الاوقات کی پابندی اور مسلسل محنت کرنے کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن کی سہولت اور حافظہ کی قوت کے لیے ترمذی شریف کی ایک روایت میں بیان شدہ مسنون عمل کو اپنانے کی ترغیب بھی دی! روایت کا مفہوم وترجمہ پیش کیا جارہا ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: میرے باپ وماں آپ پر قربان! یہ قرآن پاک میرے سینے سے نکل جاتا ہے اور میں اُسے (یاد سے) پڑھ نہیں پاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوالحسن! کیا میں تمہیں کچھ ایسے کلمات نہ سکھلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائیں اور ان لوگوں کو بھی جن کو تم وہ کلمات سکھلاؤ، اور ان کلمات کی وجہ سے جو کچھ تم نے سیکھا ہے وہ تمہارے سینہ میں محفوظ رہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! مجھے وہ کلمات ضرور سکھا دیجئے، نبی ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کی رات آئے، تو اس رات کو اگر تم رات کی آخری تہائی میں اُٹھ سکو (تو بہت اچھا ہے) کیونکہ وہ ایسی گھڑی ہے جس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور اس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے، اور میرے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو کہا تھا کہ میں عنقریب تمہارے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا وہ اسی وقت کے لیے کہہ رہے تھے، اور اگر یہ تمہارے بس میں نہ ہو تو آدھی رات

میں اُٹھو، اور اگر یہ بات بھی تمہارے بس میں نہ ہو تو شروع رات میں کھڑے ہو جاؤ اور چار رکعتیں پڑھو، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور یٰسٓ پڑھو، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ''حٰمٓ الدخان'' پڑھو، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ''الٓمٓ تنزیل السجدۃ'' پڑھو اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ ''الملک'' پڑھو، جب آپ تشہد سے فارغ ہو جائیں تو اللہ کی تعریف کریں اور بہترین تعریف کریں، اور مجھ پر درود بھیجیں اور بہترین درود بھیجیں، اور تمام انبیاء پر درود بھیجیں، اور استغفار کریں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے اور اپنے ان تمام مؤمن بھائیوں کے لیے جو آپ سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں، پھر یہ دعا پڑھیں:

'' اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِي بِتَرْکِ الْمَعَاصِيْ أَبَدًا مَّا أَبْقَیْتَنِي وَارْحَمْنِيْ أَنْ أَتَکَلَّفَ مَا لَایَعْنِیْنِي وَارْزُقْنِي حُسْنَ النَّظْرِ فِيْ مَا یُرْضِیْکَ عَنِّيْ، اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ وَالْعِزَّۃِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ أَسْأَلُکَ یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِکَ وَنُوْرِ وَجْھِکَ أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ کِتَابِکَ کَمَا عَلَّمْتَنِيْ ، وَارْزُقْنِيْ أَنْ أَتْلُوَہٗ عَلَی النَّحْوِ الَّذِيْ یُرْضِیْکَ عَنِّيْ، اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ وَالْعِزَّۃِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ أَسْأَلُکَ یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِکَ وَنُوْرِ وَجْھِکَ أَنْ تُنَوِّرَ بِکِتَابِکَ بَصَرِيْ وَأَنْ تُطْلِقَ بِہٖ لِسَانِيْ وَأَنْ تُفَرِّجَ بِہٖ عَنْ قَلْبِيْ وَأَنْ تَشْرَحَ بِہٖ صَدْرِيْ وَأَنْ تَغْسِلَ بِہٖ بَدَنِيْ فَإِنَّہٗ لَایُعِیْنُنِيْ عَلَی الْحَقِّ غَیْرُکَ وَلَایُؤْتِیْہِ إِلَّا أَنْتَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِیْمِ ''

اے ابوالحسن! آپ یہ کام تین یا پانچ یا سات جمعہ تک کریں، اللہ کے حکم سے آپ کی دعا قبول ہوگی، اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، یہ عمل و دعا کسی مؤمن کے حق میں رائیگاں نہیں جائیں گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: بخدا ابھی پانچ یا سات ہی جمعے گزرے ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر ایسی ہی مجلس میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: اے اللہ کے رسول! میں اس سے پہلے چار کے آس پاس آیتیں یاد کرتا، پھر جب انہیں اپنے دل میں دہراتا تو وہ یکدم میرے سینے سے نکل جاتی تھیں، اور آج میں چالیس کے آس پاس آیتیں یاد کرتا ہوں اور جب انہیں اپنے دل میں دہراتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا قرآن میری آنکھوں کے سامنے ہے اور میں آپ کی حدیثیں سنتا تھا، پھر جب میں ان کو دہراتا تھا تو وہ یکدم میرے سینے سے نکل جاتی تھیں، اور اب میں حدیثیں سنتا ہوں، پھر جب میں ان کو بیان کرتا ہوں تو ان میں سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا! آپ ﷺ نے

ان سے فرمایا: اے ابوالحسن! تم ایماندار ہو ربِّ کعبہ کی قسم!'' (ترمذی شریف، ج:۲،ص:۱۹۷)

مذکورہ بالا حدیث کی سند پر اگرچہ بعض محدثین حضرات نے کلام کیا ہے، تاہم! خود حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور اسی طرح ''اَلْعَرْفُ الشَّذِيّ'' میں محدِّث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: ''اس روایت کی سند درست وصحیح ہے اور جو عمل اس میں بتایا گیا ہے وہ حفظِ قرآن وقوتِ حافظہ کے لیے مفید ہے۔'' اس کے علاوہ راقم الحروف یہ عرض کرتا ہے کہ مذکورہ روایت فضائل الاعمال کی روایات میں سے ایک روایت ہے، لہٰذا اگر اس کی سند میں کچھ کمزوری کو تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی اکثر محدِّثین کے نزدیک ایسی روایت پر عمل کرنا باعثِ اجر وبرکت وفائدہ ہے۔ احقر نے حفظِ قرآن پاک کے دوران جہاں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی ہدایات پر عمل کرنے کے فوائد دیکھے، وہاں مذکورہ مسنون عمل کے فیوض وبرکات بھی محسوس کیے، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک سال تین مہینے کے اندر مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے پاس بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱/ ۶/ ۱۴۰۵ھ مطابق ۴/ ۳/ ۱۹۸۵ء حفظِ قرآن مکمل کیا۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مصروفیات کے باوجود مختصر وقت کے اندر مجھ جیسے سیاہ کار کا حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت وتوفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس میں بھی کوئی تردُّد نہیں کہ اگر حضرت الاستاذ مفتی پالن پوری صاحب (اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کی عظیم نعمتوں سے ان کو مالا مال فرمائے) کی خصوصی نگرانی اور مبارک توجہات ساتھ نہ ہوتیں تو ظاہری اسباب کے تحت مختلف مصروفیات کے باوجود بڑی عمر کے اندر میں اس عظیم نعمت کو حاصل نہیں کرسکتا تھا، اسی طرح مجھے اس اعتراف میں بھی کوئی تأمُّل نہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی (اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے) نے جس مسنون علم کی طرف میری راہنمائی فرمائی تھی، اس کی برکات بھی شاملِ حال رہیں اور میں نے اس کی نورانیت وفائدہ محسوس کیا۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سے مختلف میدانوں میں استفادہ کرنے کے مواقع

دارالعلوم دیوبند سے احقر ابتداءً ایک طالبِ علم کی حیثیت سے، پھر مسجد دارالعلوم کے امام وخطیب کی حیثیت سے اور پھر مدرس کی حیثیت سے وابستہ رہا، ان تینوں حیثیات میں سے ہر ایک حیثیت کے حامل افراد کی کیا ذمہ داریاں بنتی ہیں؟ احقر نے اس سلسلہ میں جہاں دیگر اساتذۂ کرام سے ہدایات لی ہیں وہاں خصوصی طور پر حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لیے کہ ان کا طویل تجربہ، ان کا عزم وارادہ، ان کا طرزِ عمل اور ان کی عادات وخصائل مجھ

جیسے تہی دامنوں کے لیے مشعلِ راہ تھیں۔ وہ اسلاف واکابر دارالعلوم سے اپنے شاگردوں کو واقف ومتعارف کرانے کا بہترین اور قابلِ اعتماد ذریعہ تھے۔ احاطۂ دارالعلوم میں ایک طویل مدّت تک تدریسی وانتظامی اُمور سے وابستہ رہنے کی بنیاد پر ان کو ہر میدان میں تجربہ حاصل تھا۔ احقر نے جن جن امور ومعاملات میں ان سے استفادہ کیا ہے ان کی تفصیلات کے لیے تو مستقل کتاب کی ضرورت ہے، تاہم! اس مختصر مضمون میں اجمالاً ان امور کو قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

طالبِ علم کی علمی وعملی ترقی کے اسباب کیا ہیں؟ امام وخطیب کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس کو کن کن آداب کا حامل ہونا چاہیے؟ مدرس کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ اور دیگر مدرسین، اربابِ انتظام اور طلبہ کے ساتھ ہر طبقے کے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ اگر دین کی خدمت میں لگا ہوا شخص حاسدین کے حسد وایذا رسانی کا شکار ہوجائے تو اسے گھبرانے کے بجائے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟ اسی طرح اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اصول وضوابط کی پابندی اور حالات وزمانہ کے تغیرات کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا دین کے ایک خادم کے لیے کتنا اہم ہے؟ مذکورہ تمام سوالات کے اطمینان بخش جوابات حضرت والا کے پاس موجود تھے اور احقر کو ان تمام میدانوں میں ان سے استفادہ کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ سے صحت وتندرستی کے اصول وقواعد سے متعلق جن کے وہ خود بھی پابند تھے احقر نے کافی استفادہ کیا ہے، وہ کھانے پینے میں خود بھی محتاط اور متعلقین کو بھی محتاط رہنے کی تلقین فرماتے، اور سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا حوالہ دیتے: ''وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا'' (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو)، روزانہ نظم وترتیب کے ساتھ چہل قدمی کرنا ان کے معمولات میں سے ایک اہم معمول تھا، اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: ''فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا'' (پس بے شک تیرے جسم کا تیرے اوپر حق ہے) کے مطابق صحت وتندرستی کے اصول کی پابندی کو ضروری اور باعثِ اجر وثواب سمجھتے تھے۔ انگریزی دواؤں کے استعمال سے خود بھی اجتناب فرماتے تھے اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی ان کے استعمال سے دور رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ احقر کو تادمِ تحریر اللہ تعالیٰ نے آج کل کے ماحول میں پھیلی ہوئی اکثر جسمانی بیماریوں سے جو محفوظ رکھا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کے بعد ظاہری اسباب کے تحت حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی ہدایات اور بابرکت نصائح کا بڑا دخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجھے مختلف میدانوں میں حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے

خصوصی استفادہ کرنے کا موقع ملا، میں اس بات کا تو معترف ہوں کہ اپنی غفلتوں کی وجہ سے اگرچہ ان کی ہدایات کی مکمل پابندی نہ کرسکا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی پراثر نصائح کی برکات اپنی زندگی کے ہر ہر پہلو میں آج تک محسوس کررہا ہوں اور اپنے دروس وبیانات میں عزیز طلبہ اور عام مسلمان بھائیوں کے فائدے کی خاطر حضرت الاستاذؒ کی نصیحتوں کا حوالہ دیتا رہتا ہوں اور ان کے حق میں غائبانہ دعائیں کرتا اور کراتا رہتا ہوں۔

خواب میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت

حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحبؒ کے حقوق واحسانات کو یاد کرتے ہوئے جب احقر نے ان سے متعلق مضمون لکھنے کا ارادہ کیا اور اپنی ڈائریوں، اپنے حافظہ اور دل ودماغ کے گوشوں میں محفوظ یادداشتوں کو ترتیب دینے لگا، اسی دوران ایک دفعہ خواب میں ان کی ایک ایسی حالت میں زیارت نصیب ہوئی جس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی اور اس امید میں مزید پختگی پیدا ہوگئی کہ ان شاء اللہ! وہ عالمِ برزخ میں خوش وخرم ہوکر اپنے اعمالِ صالحہ کے ثمرات سے خوب مستفید ہورہے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو ان کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنادیا ہوگا۔ خواب میں احقر نے یہ دیکھا:

''ایک عام راستہ میں حضرت والا سے ایسی حالت میں احقر کا اچانک سامنا ہوتا ہے کہ وہ جوانوں کی طرح چل رہے ہوتے ہیں اور جسم بالکل تندرست اور چمکتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ اور خوشی کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں، صاف ستھرے سفید لباس میں ملبوس اور سر پر سفید عمامہ ہوتا ہے (واضح رہے! حضرت والا اپنی زندگی میں عمامہ باندھنے کے عادی نہیں تھے، بلکہ دوپلی ٹوپی استعمال کرتے تھے) حضرت والا کو دیکھ کر میں انہیں سلام کرتے ہوئے معانقہ کرتا ہوں، وہ مجھے اپنے سینے سے لگالیتے ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت والا! آپ کی صحت ماشاء اللہ! بہت اچھی لگ رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب آپ لوگوں کی غائبانہ دعائیں شامل حال رہیں گی تو میری صحت کیوں اچھی نہیں ہوگی!؟۔''

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کا وصال اور ان کے شاگردوں پر عائد ایک ذمہ داری

حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس دارِ فانی میں تقریباً اکیاسی سالہ زندگی بسر کرکے بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۴۱۲/۲/۷ھ مطابق ۱۹۹۱/۸/۱۸ء دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ان کی رہائش کے لیے مہیا کیے گئے اس کمرہ میں جہاں وہ سالوں سال تک مقیم رہے داعیِ اجل کو لبیک کہا

اور احاطۂ دارالعلوم میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ اور آس پاس کے رہنے والے عام مسلمانوں نے شرکت کی۔ نمازِ جنازہ کے بعد ان کے جسدِ مبارک کو مزارِ قاسمی میں اپنے اکابرین کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت الاستاذ نے اپنے پیچھے نسبی اولاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑا، کیونکہ یکسوئی کے ساتھ دین کی خدمت کرتے ہوئے آپ نے تجرُّد کی زندگی کو ترجیح دی تھی، تاہم! نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کی خدمت کرتے ہوئے انہوں نے بے شمار روحانی اولاد اور شاگرد تیار کیے۔ نسبی رشتہ داروں میں سے ان کے دو بھائی تادمِ تحریر (ماہِ صفر ۱۴۴۱ھ تک) الحمدللہ بقیدِ حیات اور کراچی میں مقیم ہیں۔ ایک جناب محترم نسیم الحق صدیقی صاحب جن کی عمر تقریباً نوے سال ہے اور نارتھ ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں، دوسرے جناب محترم شمس الحق صدیقی صاحب جن کی عمر تقریباً اکیاسی سال ہے اور گلشن اقبال کراچی میں مقیم ہیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت الاستاذ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی زندگی دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مدارسِ دینیہ کے موجودہ ماحول میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے فرمودات سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، اور آئندہ شاید اس سے بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوگی۔ انہوں نے اپنے پیچھے نسبی اولاد نہیں چھوڑی جو ایک عام روایت کے مطابق ان کی مفصّل ومنظّم سوانح لکھنے کا انتظام کرتی یا سیمیناروں کے ذریعے ان کی زندگی اور عادات وخصائل کو اجاگر کرتی، لہٰذا! ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ جس ہستی نے اپنی زندگی ان کی تعلیم وتربیت اور ان کی مادرِ علمی کی خدمت میں صرف کردی، وہ بھی ان کے احسانات کو یاد کرتے ہوئے ان کی وفات کے بعد ان کی یادوں، ان کی زندگی کے مختلف مفید پہلوؤں اور ان کے فرمودات عالیہ اور عاداتِ طیبہ کو اپنی زبان وقلم کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کریں، تاکہ ایک طرف موجودہ عصر کے اساتذۂ کرام، اربابِ انتظام، طلبۂ عزیز اور عامۃ المسلمین ان کی زندگی سے راہنمائی لیتے ہوئے دارَین کی ترقی حاصل کریں اور دوسری طرف خود حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں ان کی سیرتِ طیبہ کے احیاء کے ذریعے غائبانہ دعاؤں اور صدقۂ جاریہ کا ایک سلسلہ قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب صدیقی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین! (انتہیٰ)

عقیقہ کے فضائل اور مسائل

مفتی عبدالرؤف سکھروی
اُستاذِ حدیث ومفتی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

بچوں کی پیدائش پر کچھ اعمال ولادت کے وقت مستحب ہیں اور بعض اعمال ولادت کے ساتویں دن مستحب ہیں۔ اکثر مسلمان ان سے ناواقف ہیں، اس لیے اکثر اس موقع پر وہ دریافت کرتے رہتے ہیں اور جو دریافت نہیں کرتے، وہ ان پر عمل کرنے سے محروم رہتے ہیں، اس بنا پر ذیل میں انہیں لکھا جاتا ہے تاکہ بچہ/ بچی کے پیدائش کے بعد اپنے اپنے وقت میں ان پر عمل کرکے ان کے فضائل وبرکات حاصل کرسکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین!

ولادت کے بعد مستحب اعمال

کان میں اذان واقامت کہنا

☆ جب بچہ پیدا ہوتو اس کو نہلا دُھلا کر، اور کپڑے پہنا کر سب سے پہلے اس کے دائیں کان میں اذان کہہ دیں، اور بائیں کان میں اقامت یعنی تکبیر کہہ دیں۔ (مشکوٰۃ شریف مع حاشیہ، ج:۲،ص:۳۵۹)

تحنیک کرانا

☆ اگر اس وقت کوئی بزرگ قریب ہوں اور موقع ہوتو ان سے تحنیک کرائیں، کیونکہ یہ سنت ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ ان کی خدمت میں ایک دو کھجور پیش کریں اور وہ اپنے منہ میں اس کو چبا کر بچہ کے منہ میں ڈال دیں (اور کچھ بچہ کے تالو میں لگائیں) اور بچہ کے لیے خیر وبرکت کی دعا کریں۔ (مشکوٰۃ، ج:۲،ص:۳۶۲، وتکملۃ فتح الملہم، ج:۴،ص:۲۰۰)

☆ (آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر شہد پر دم کرکے) تھوڑا سا شہد بچہ کو چٹانا بھی جائز ہے۔ اس سے بھی تحنیک (کی سنت ادا) ہوجاتی ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم، ج:۴،ص:۲۰۰)

ولادت کے ساتویں دن مستحب اعمال

عقیقہ کرنا

☆ جب کسی کے لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیں، لڑکا ہو تو دو بکرے یا دو بکری یا دو دُنبے یا دو بھیڑ ذبح کر دیں، اور لڑکی ہو تو ایک بکرا یا ایک بکری وغیرہ ذبح کر دیں یا گائے میں لڑکے کے دو حصے اور لڑکی کا ایک حصہ لے لیں یا پوری گائے سے عقیقہ کر لیں، سب جائز ہے۔

☆ اگر کسی کو زیادہ توفیق نہ ہو اور وہ لڑکے کی طرف سے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کر دے تو بھی کچھ حرج نہیں۔ (تنقیح الحامدیہ، ج:۲،ص:۲۳۳)

☆ اور اگر کوئی بالکل ہی عقیقہ نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں، کیونکہ عقیقہ کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ (مشکوٰۃ ج:۲،ص:۳۶۳ و بہشتی زیور، ج:۳،ص:۴۳)

☆ ولادت سے پہلے عقیقہ کرنا جائز نہیں، اگر کوئی کرے گا تو وہ عقیقہ نہ ہوگا، بلکہ یہ ذبیحہ گوشت کھانے کے لیے ہوگا۔ (المجموع شرح المہذب، ج:۹،ص:۲۴۵)

دعاءِ عقیقہ

☆ جب کسی لڑکے یا لڑکی کے عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا یہ دعا کرے:

''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَإِلَيْكَ عَقِيْقَةُ فُلَانٍ.''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ آپ کی رضا کے واسطے محض آپ کی بارگاہ میں فلاں کے عقیقہ کا جانور ذبح کرتا ہوں۔''

اور یہ دعا کریں:

''اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ ابْنِيْ فَإِنَّ دَمَهَا بِدَمِهٖ وَلَحْمَهَا بِلَحْمِهٖ وَعَظْمَهَا بِعَظْمِهٖ وَجِلْدَهَا بِجِلْدِهٖ وَشَعْرَهَا بِشَعْرِهٖ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لِابْنِيْ مِنَ النَّارِ.'' (تنقیح الحامدیہ، ج:۲،ص:۲۳۳)

ترجمہ: ''یا اللہ! یہ میرے بیٹے/ بیٹی کا عقیقہ ہے، لہٰذا اس کا خون اس کے خون کے بدلہ، اس کا گوشت اس کے گوشت کے بدلہ، اس کی ہڈیاں اس کی ہڈیوں کے بدلہ، اس کی کھال اس کی کھال کے بدلہ، اس کے بال اس کے بالوں کے بدلہ میں ہیں، یا اللہ! اس کو میرے بیٹے/ بیٹی کے بدلہ دوزخ سے آزادی کا بدلہ بنا دے۔''

عقیقہ کے مسائل

☆ جس جانور کی قربانی جائز ہے، اس میں عقیقہ کرنا بھی جائز ہے، جیسے: اونٹ، گائے، بھینس،

بکرا وغیرہ اور اونٹ، گائے میں عقیقہ کے سات حصے رکھ سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہو اور وہ ان سب کے عقیقہ میں ایک گائے یا ایک اونٹ ذبح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ (ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)

☆ گائے، بیل وغیرہ میں کچھ حصے قربانی کے اور کچھ حصے عقیقے کے رکھنا جائز ہے۔ (ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)

☆ جس جانور کی قربانی جائز نہیں، جیسے: ہرن، نیل، گائے وغیرہ، اس سے عقیقہ کرنا بھی جائز نہیں، اور جس جانور کی قربانی جائز ہے، جیسے: گائے، بیل اور بکرا وغیرہ، اس سے عقیقہ بھی درست ہے۔ (ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)

☆ عقیقہ کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہیں: ایک حصہ صدقہ کردیں، ایک حصہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو دے دیں، اور ایک حصہ گھر میں رکھ لیں۔ (ہندیہ، ج:۵،ص:۳۰۴)

☆ عقیقہ کے گوشت سے دعوت کرنا بھی جائز ہے، نیز عقیقہ یا قربانی کا گوشت ولیمہ کی دعوت میں استعمال کرنا جائز ہے۔ (شامیہ، ج:۶،ص:۳۲۶ اور مأخذہ بہشتی زیور کا حاشیہ، ج:۳،ص:۴۳)

سر کے بال منڈوانا

☆ بچہ/ بچی کی ولادت کے ساتویں دن سر کے بال منڈوادیں، خواہ پہلے سر منڈوائیں، پھر عقیقہ کریں یا پہلے عقیقہ کریں، پھر سر کے بال منڈوائیں، دونوں طرح جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے بچہ کے سر کے بال منڈوائیں، پھر عقیقہ کا جانور ذبح کریں۔ (حاشیہ بہشتی زیور، ج:۳،ص:۴۳)

بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا

☆ بچہ/ بچی کے سر کے بال منڈوانے کے بعد بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی خیرات کردیں (چاندی سے اس کا اندازہ رقم میں تقریباً پانچ سو روپے سے ایک ہزار روپے تک ہے، یہ رقم صدقہ کردیں) اور بالوں کو کسی جگہ دفن کردیں۔ (مشکوۃ، ج:۲،ص:۳۶۲)

☆ لڑکے اور لڑکی کا سر منڈوانے کے بعد اگر زعفران میسر ہو تو تھوڑا سا زعفران پانی میں گھول کر روئی وغیرہ سے اس کے سر پر لگادیں اور اگر زعفران نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ عمل بہتر ہے، ضروری نہیں ہے۔ (مشکوۃ، ج:۲،ص:۳۶۲)

ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکنے کا حکم

☆ اگر کوئی ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکے تو آئندہ جب کرے ساتویں دن کا خیال کرنا مستحب ہے، اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس دن لڑکا یا لڑکی پیدا ہو، اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کردیں، مثلاً اگر لڑکا جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو جمعرات کو عقیقہ کردیں اور اگر جمعرات کو بچہ پیدا ہوا ہے تو بدھ کو عقیقہ کردیں، اس

طرح جب بھی عقیقہ کیا جائے گا، وہ حساب سے ساتواں دن پڑے گا۔ (شرح المہذب، ج:۹،ص:۲۴۵)

☆ اگر کوئی اس کا لحاظ کیے بغیر کسی بھی دن عقیقہ کردے یا بقرعید کے دن قربانی کے ساتھ عقیقہ کردے تو بھی جائز ہے۔ (ماخذہ بہشتی زیور کا حاشیہ، ج:۳،ص:۴۳)

☆ جس شخص کا پیدائش کے بعد عقیقہ نہ ہوا ہو تو بعد میں اس کو اپنا عقیقہ کرنا جائز ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا۔ (شرح المہذب، ج:۹، ص:۲۴۵ وتنقیح الحامدیہ، ج:۲،ص:۲۳۳)

ختنہ کروانا

☆ اگر لڑکا پیدا ہو تو ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرانا مستحب ہے، کیونکہ ولادت کے ساتویں دن سے لڑکے کی بارہ سال عمر ہونے تک ختنہ کرانے کا مستحب وقت ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت کے ساتویں دن اُن کا ختنہ کروایا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے ساتویں دن اُن کا ختنہ کرایا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تیرہ سال کی عمر میں ختنہ کروایا تھا۔ (تکملۃ فتح الملہم، ج:۵،ص:۹)

بچہ کا نام رکھنا

☆ ساتویں دن لڑکے/لڑکی کا اچھا سا نام رکھ دیں، نام رکھنے میں ساتویں دن سے زیادہ تاخیر نہ کریں، اور ایسا نام نہ رکھیں جس کے معنی برے ہوں یا اس میں بڑائی کا یا بزرگی کا مفہوم نکلتا ہو، جیسے: عاصی یا عاصیہ، جس کے معنی نافرمانی کرنے والا اور نافرمانی کرنے والی کے ہیں، یا جیسے: شہنشاہ، اور امیر الامراء، اس میں بڑائی پائی جاتی ہے، یا جیسے ''برہ'' نیکوکار اس میں بزرگی پائی جاتی ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم، ج:۴،ص:۲۱۴)

☆ لڑکے/لڑکی کی ولادت کے دن نام رکھنا بھی جائز ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم، ج:۴،ص:۲۲۰)

☆ لڑکے/لڑکی کا نام کسی نیک اور بزرگ سے رکھوانا مستحب ہے، وہ اپنی پسند سے بچہ/ بچی کا کوئی نام رکھ دے۔ (تکملۃ فتح الملہم، ج:۴،ص:۲۲۰)

برا نام بدل دینا چاہیے

☆ اگر کسی لڑکے یا لڑکی کے نام کے معنی اچھے نہ ہوں، اس کو بدل دینا چاہیے، حضور ﷺ کا یہی طریقہ تھا، جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ''برہ'' تھا جس کے معنی: نیکی اور بھلائی کے ہیں، جس میں اپنی بزرگی کا پہلو نکلتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس کو بدل کر ''زینب'' رکھ دیا۔ اسی طرح ایک شخص کا نام ''اصرم'' تھا، جس کا معنی ہے: ''زیادہ کاٹنے اور کترنے والا''، یہ معنی اچھا نہیں ہے، اس لیے آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: نہیں، تم زارع ہو جس کا معنی ''کھیتی کرنے والا'' ہے۔ (بخاری وابوداؤد)

شرعی عائلی احکام کی دفعہ بندی:

مفتی شعیب عالم
اُستاذ ومفتی دارالافتاء جامعہ

قانونِ رضاعت (آٹھویں قسط)

دفعہ۵۔رضاعت کا حکم:

رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جونسب یا مصاہرت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، مگر یہ کہ شریعت نے کسی رشتے کو مستثنیٰ کیا ہو، جیسے رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے۔

دفعہ۶۔رضاعت کے سبب حرام ہونے والے رشتوں کی تفصیل:

رضاعت کے سبب رضیع پر درج ذیل رشتے حرام ہوں گے:

(۱) مرضعہ جس کا دودھ پیا ہے۔

الف: مرضعہ کے نسبی اور رضاعی اُصول

ب: مرضعہ کے نسبی اور رضاعی فروع

فروع میں مزید تفصیل یہ ہے کہ مرضعہ کی اولاد خواہ نسبی ہو یا رضاعی اور خواہ اس شوہر سے ہو جس کی صحبت سے مرضعہ کو دودھ اُترا ہے، یا کسی دوسرے شوہر سے ہو۔ مرضعہ نے انہیں رضیع سے پہلے دودھ پلایا ہو۔ مرضعہ نے انہیں رضیع کے بعد دودھ پلایا ہو۔ مرضعہ نے کسی اور بچے کو دودھ پلایا ہو۔

(۲) مرضعہ کا شوہر جس کی وطی کے سبب مرضعہ کا دودھ اُترا ہے، وہ رضیع کا باپ کہلائے گا، اور اس کے درج ذیل رشتہ دار رضیع پر حرام ہوں گے:

الف: نسبی اور رضاعی اُصول

ب: نسبی اور رضاعی فروع

ج: اولاد، خواہ وطی نکاحِ صحیح کے ذریعے ہو یا فاسد کے ذریعے۔

(۳) مرضعہ کے شوہر کی اولاد خواہ، مرضعہ سے ہو، مرضعہ کے علاوہ کسی اور سے ہو، مرضعہ نے انہیں رضیع سے پہلے دودھ پلایا ہو یا بعد میں پلایا ہو، شوہر کی نسبی اولاد ہو یا رضاعی اولاد ہو۔ سب رضیع مذکور کے بہن بھائی ہوں گے۔ بنا برایں ان کی اولاد رضیع مذکور کی بھائی بہن کی اولاد ہوگی، مرضعہ کے

شوہر کا بھائی رضیع مذکور کا چچا کہلائے گا اور مرضعہ کے شوہر کی بہن رضیع کی پھوپھی ہوگی، مرضعہ کا بھائی رضیع کا ماموں ہوگا، مرضعہ کی بہن رضیع کی خالہ ہوگی۔ ایسے ہی دادا دادی، نانا نانی میں سمجھنا چاہیے۔

توضیح:۱- رضاعی باپ جس کی وطی کے سبب مرضعہ کا دودھ اُترا ہے خواہ وطی نکاحِ صحیح کے سبب ہو یا فاسد کے، البتہ اگر وطی بالشبہہ ہو تو آمدہ دفعہ کے احکام لاگو ہوں گے۔

توضیح:۲- دفعہ ہذا اِن دو اُصولوں پر بنا ہے کہ:

۱۔عورت کی جانب سے اصل یہ ہے کہ بچے نے اس کا دودھ پیا ہو، خواہ کسی زمانے میں پیا ہو اور اس دودھ کا سبب خواہ اس کا موجودہ یا سابقہ شوہر ہو یا زانی ہو یا واطی بالشبہۃ ہو۔

۲۔مرد کی جانب سے اصل یہ ہے کہ اس کی اولاد ہو یا دودھ اس کی وطی کے سبب ہو۔

دفعہ ۷۔ زنا کے سبب اُترنے والے دودھ سے حرمتِ رضاعت

مزنیہ نے جس کو دودھ پلایا وہ رضیع، زانی اور اس کے اُصول وفروع پر حرام ہوگا۔

توضیح: دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت صرف مزنیہ سے ثابت ہوگی، یعنی رضیع کا صرف مرضعہ کے ساتھ رشتۂ رضاعت قائم ہوگا، زانی سے نہیں، مگر راجح اور قوی پہلا قول ہے۔ خود زانی پر رضیعہ بالاتفاق حرام ہوگی، کیونکہ وہ مزنیہ کی اولاد ہے اور مزنیہ کے فروع زانی پر حرام ہوتے ہیں۔

دفعہ ۸۔ وطی بالشبہہ سے ثبوت حرمتِ رضاعت

قانون ثبوتِ نسب کے احکام کے تحت جہاں مرد سے ثبوتِ نسب ہوگا، وہاں رضیع اور مرد کے درمیان رضاعت کا رشتہ بھی قائم ہوگا اور جہاں مرد سے ثبوتِ نسب نہ ہو، وہاں صرف عورت سے رشتۂ رضاعت قائم ہوگا۔

تمثیل: زید نے ہندہ سے وطی بالشبہہ کی اور ہندہ کو حمل ٹھہر گیا اور بچہ متولد ہو گیا، پھر ہندہ نے بکر سے نکاح کیا اور ایک لڑکی فاطمہ کو دودھ پلا دیا تو فاطمہ زید کی رضاعی بیٹی ہوگی، نہ کہ بکر کی اور بکر کے لیے حلال ہوگی، کیونکہ ہندہ کا دودھ زید کی صحبت کی وجہ سے اُترا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ قانونِ نسب کے قواعد کے تحت زید سے فاطمہ کا نسب ثابت ہو، اگر نسب ثابت نہ ہو تو زید کے ساتھ اس بچی کا رشتۂ رضاعت ثابت نہ ہوگا۔

دفعہ ۹۔ سابقہ شوہر سے دودھ کا انقطاع کب ہوگا:

جب مطلقہ، جس کا شوہر سے دودھ بھی ہے، بعد از انقضاء عدت کسی اور شخص سے نکاح کرے، تو اگر:

(۱) شوہرِ ثانی سے بچہ مولود ہوا تو بالاجماع دودھ شوہر اول سے منقطع سمجھا جائے گا۔

(۲) اگر شوہرِ ثانی سے حاملہ ہی نہیں ہوئی تو بالاتفاق دودھ شوہر اول سے سمجھا جائے گا۔

(۳) اگر شوہرِ ثانی سے صرف حاملہ ہوئی، بچہ پیدا نہیں ہوا تو بھی دودھ صرف شوہرِ اول سے سمجھا جائے گا، خواہ حمل کے سبب دودھ زیادہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

دفعہ ۱۰۔ بچے جنہوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو:

جن بچوں نے کسی ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو، خواہ:

ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں، اور عورت کا دودھ ایک ہی شوہر سے ہو یا دو سے ہو یا شوہر سے نہ ہو، ایسے بچے:

(۱) رضاعی بھائی بہن ہوں گے، اگر ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ہو۔

(۲) دونوں رضاعی بھائی ہوں گے، اگر دونوں لڑکے ہوں۔

(۳) دونوں رضاعی بہنیں ہوں گی، اگر دونوں لڑکیاں ہوں۔

بنا برایں:

الف۔ دونوں کا آپس میں نکاح ناجائز ہوگا۔

ب۔ ایک دوسرے کی اولاد سے نکاح ناجائز ہوگا، کیونکہ وہ ماموں اور بھانجی یا بھتیجے اور پھوپھی کا نکاح ہوگا۔

ج۔ مرضعہ کی ماں سے رضیع کا نکاح ناجائز ہوگا، کیونکہ نانی اور نواسے کا رشتہ قائم ہوگا۔

د۔ مرضعہ کے باپ سے نکاح ناجائز ہوگا، کیونکہ نواسی اور نانا کا نکاح ہوگا۔

ح۔ رضیع کی اولاد اور اولاد در اولاد کے لیے بھی مرضعہ سے نکاح حرام ہوگا، جیسا کہ نسب میں حرام ہوتا ہے۔

و۔ مرضعہ کے بھائی اور بہنوں سے رضیع کا نکاح حرام ہوگا، کیونکہ وہ بالترتیب ماموں اور خالائیں ہوں گی۔ البتہ مرضعہ کے بھائی بہنوں کی اولاد سے رضیع کا نکاح جائز ہوگا، کیونکہ وہ رضیع کی ماموں زاد یا پھوپھی زاد ہوں گی اور ان سے نسب میں بھی نکاح جائز ہے۔

توضیح: اجنبیہ سے مراد اس دفعہ کے تحت وہ عورت ہے جو ان بچوں میں سے کسی کی سگی ماں نہ ہو۔

دفعہ ۱۱۔ باکرہ مطلقہ غیر مدخولہ کی رضاعی بیٹی سے نکاح:

باکرہ کو دخول سے قبل طلاق دی تو اس کی رضاعی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر بعد از دخول طلاق دی تو نہیں کرسکتا ہے۔

توضیح: باکرہ سے مراد وہ عورت جس سے جائز یا ناجائز طور پر کسی نے صحبت نہ کی ہو، اگرچہ اس کی بکارت بوجہ کھیل کود یا مرض کے زائل ہوچکی ہو۔ قبل از دخول بایں وجہ طلاق دہندہ شوہر نکاح کرسکتا ہے کہ دودھ اس کی وطی کے سبب نہیں اور بعد از دخول نکاح کی حرمت بایں وجہ ہے کہ وہ لڑکی اس کی ربیبہ ہے۔

(جاری ہے)

حرام اور مشتبہ سے اپنے آپ کو بچائیں!

مفتی غلام مصطفیٰ رفیق

اُستاذ و رفیق شعبہ مجلس دعوت و تحقیق، جامعہ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

ذخیرۂ احادیث میں چند احادیث ایسی ہیں جنہیں اُمت کے علماء اور فقہاء کرام نے نہایت اہم اور اُصولی سمجھا ہے، ان ہی میں سے ایک حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں منقول ہے جو حلال و حرام اور مشتبہات کے احکام سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ پہلے صحابی ہیں جو انصار میں سے سن ۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، نہایت ہی خوش بخت ہیں کہ ان کی والدہ حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا انہیں لے کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کھجور چبا کر کھلائی، جسے تحنیک کہتے ہیں۔ تاریخ ابن خلدون میں ان کا ایک ملفوظ لکھا ہوا ہے کہ: ''مجھے کمزور ہو کر اللہ کی اطاعت میں رہنا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں گناہ گار ہو کر عزت والا بنوں۔''

کتبِ حدیث میں ان کا ایک مشہور واقعہ بھی آتا ہے اور یہ واقعہ ایک فقہی مسئلہ سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے، اور وہ مسئلہ ہمارا معاشرتی مسئلہ بھی ہے، حقوق سے بھی متعلق ہے، یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''میرے والد حضرت بشیر رضی اللہ عنہ مجھے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گئے اور فرمایا کہ: میں نے اپنے اس بیٹے کو کچھ دیا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کے والد نے عرض کیا کہ: میں نے اپنے اس بیٹے (نعمان) کو ایک غلام ہدیہ کیا ہے، آپ ﷺ نے ان کے والد سے فرمایا کہ: کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر نعمان سے بھی اس غلام کو واپس لے لو۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو میری والدہ نے میرے والد حضرت

بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میں اس پر اس وقت تک رضا مند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم ﷺ کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ میرے والد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے نعمان کو ایک چیز دی ہے اور میری اہلیہ عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا کہ میں اس ہبہ پر آپ ﷺ کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''أَفَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ''... ''جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟'' انہوں نے کہا کہ: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اِتَّقُوْا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ أَوْلَادِكُمْ''... ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔'' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا: ''وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلٰى أُذُنَيْهِ''... ''حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سننے کو یقینی طور پر بیان کرنے کے لیے اپنی انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے ان کانوں نے خود سنا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ''... ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔'' یہ پہلا جملہ ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو وہ ہیں جن کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، یعنی ان دونوں کا معاملہ صاف اور روشن ہے۔ واضح ہے کہ انسان حلال کو اختیار کرے اور حرام سے اپنے آپ کو بچائے۔ حلال جیسے: نیک کام، اچھی گفتگو، حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال وغیرہ اور حرام جیسے کفر ہے، شرک ہے، مردار ہے، جھوٹ ہے، سود کھانا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، شراب پینا، کسی کا مال چھین لینا، کسی کے حق پر قبضہ کرلینا، وغیرہ، تو ان میں سے حلال چیزوں کو انسان اختیار کرنے والا بنے اور حرام سے دور رہے۔

حلال پر قناعت کرنا

حلال پر قناعت کرنے اور حلال کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ برکت بھی دیتے ہیں اور نیک اعمال کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر حلال کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، کھانے پینے سے متعلق بھی انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے ذریعہ ان کی اُمتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ، اور نیک اعمال کرو، سورۂ مومنون میں ارشاد ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ'' (المومنون:۵۱)

''اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری اُمتیں) نفیس، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو (اور) میں تم سب کے کیے ہوئے کو خوب جانتا ہوں۔''

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں حلال روزی کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب انسان کی غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق اسے

خود بخود ہونے لگتی ہے اور جب غذا ہی حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس راہ میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں اور آدمی نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔

حرام کی نحوست

اسی طرح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو، اسے دعاؤں کی قبولیت کی بھی آس نہیں لگانی چاہیے، اسے دعاؤں کی قبولیت کی بھی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ سننِ ترمذی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کا ذکر کیا: ''یُطِیْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَهٗ إِلَی السَّمَاءِ''... ''جو طویل لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال ہے، اور اس کے بال خاک آلود ہو رہے ہیں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے'': ''یَا رَبِّ! یَا رَبِّ!''... ''اے میرے رب! اے میرے پروردگار!'' یعنی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا کر پکار رہا ہوتا ہے، اس کی ظاہری حالت سے مسکنت عیاں ہے، قابلِ رحم شخص لگتا ہے، ایسی حالت میں اس کی دعا قبول ہونی چاہیے، قبولیت کے ظاہری اسباب بھی موجود ہیں، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کی دعا رد بھی نہیں ہوتی، اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ''... ''اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ روٹی اس کی حرام، کپڑے اس کے حرام، اور جسم اس کا حرام کی روٹیوں سے پلا ہوا''... ''فَأَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ''... ''اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو؟!'' (ترمذی) آج کل بہت سی دعائیں کی جاتی ہیں، مگر لوگوں کا شکوہ یہ ہوتا ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اس لیے ہر شخص کو اپنے حال پر غور کرنا چاہیے، اور اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے، میں کتنا حلال کماتا ہوں، اور کس قدر اپنے آپ کو حرام سے بچاتا ہوں؟!

مستجاب الدعوات بننے کا عمل

معلوم ہوا کہ دعاؤں اور عبادات کی قبولیت کے لیے بھی حلال کھانا شرط ہے، اسی لیے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! ''اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ یَّجْعَلَنِيْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ''... ''آپ میرے حق میں دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یَا سَعْدُ! طَیِّبْ مَطْعَمَکَ، تَکُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ''... ''سعد! پاکیزہ چیزیں کھاؤ، حلال لقمہ کھایا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔''

حرام کی آمیزش سے بھی بچنے کا حکم

ہمارا دین اور ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں حرام کی ذرہ برابر آمیزش سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے، حرام مال اگرچہ قلیل کیوں نہ ہو اس کو بھی اپنے حلال مال میں خلط ملط نہ کریں، حرام کو حلال میں شامل نہ کریں، اگرچہ زیادہ مال حلال ہو اور اس میں کسی قدر حرام شامل ہو جائے یہ بھی انسان کے

لیے عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت منقول ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ ، وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ''... ''اگر کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان دس دراہم میں سے ایک درہم بھی حرام مال کا ہو'' تو ''لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً مَادَامَ عَلَيْهِ''... ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز نہیں قبول کرے گا جب تک کہ آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا۔'' اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی شہادت کی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ: ''صُمَّتَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ''... ''یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔''

مشتبہات سے بچنا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ.''

''حلال وحرام کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا، اپنے آپ کو محفوظ رکھا، اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔''

یعنی کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی حرمت یا حلت یعنی ان کے حلال وحرام ہونے کے بارے میں دلائل مختلف ہوتے ہیں اور دلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ اشتباہ رہتا ہے کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا حلال ہیں۔ اور ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کے حلال ہونے کی دلیلیں بھی ہیں اور حرام ہونے کی بھی، تو اس صورت میں کوئی واضح فیصلہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی، تو عام شخص کے بارے میں شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں سے انسان اپنے آپ کو بچائے، مشتبہ چیزوں سے بھی احتراز اور اجتناب کرے۔ علماء نے اس کی بہت ساری مثالیں لکھی ہیں، اور یہ اشتباہ معاملات میں زیادہ پیش آسکتا ہے، لہٰذا ایسے معاملہ سے بھی انسان بچے جس میں شبہ پایا جاتا ہو۔ اور جو آدمی شبہات سے بچتا ہے وہ حرام سے بھی محفوظ رہے گا اور جو شبہات سے نہیں بچے گا وہ ایک نہ ایک دن حرام میں واقع ہو جائے گا۔ اور جہاں کہیں شبہ پیش آئے وہاں انسان کو مستند علماء سے پوچھ لینا چاہیے کہ آیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ یہ کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کا مشتبہ کھجور نہ کھانا

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ

راستے سے گزر رہے تھے، وہاں آپ نے ایک کھجور کا دانہ پڑا دیکھا، تو ارشاد فرمایا کہ: ''لَوْلَا أَنِّيْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا ''... ''اگر مجھے اس کھجور کے بارے میں صدقہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اسے کھالیتا''، یعنی رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کے شبہ کی وجہ سے وہ کھجور نہیں کھائی، باوجود یکہ آپ کو ضرورت تھی۔ اسی لیے ضرورت کے مواقع پر بھی انسان اپنے آپ کو مشتبہ سے بچالے' یہ کمالِ احتیاط ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشتبہ نفع سے بچنا

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ: جہاں شبہ آجائے اس سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ، عالم اور بزرگ گزرے ہیں، یہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر بھی تھے۔ آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ مشتبہ چیزوں سے بالکل اجتناب کرتے تھے۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کپڑا بنوا کر سپلائی کیا، اور کپڑا لاکھوں روپے کا تھا، ایک تاجر کو وہ کپڑا فروخت کرنے کے لیے بھیجا، اس تاجر نے یہ دیکھا کہ فی الحال اس کپڑے کے دام ذرا سستے ہیں اور کچھ مہینوں بعد اس کے دام زیادہ ہو جائیں گے تو کپڑا فروخت کرنے سے روک لیا، تاکہ کچھ عرصے کے بعد زیادہ بیچنے سے زیادہ رقم وصول ہو۔ کچھ ماہ بعد جب لوگوں کی ضرورت بڑھی تو انہوں نے دام بڑھا کر کپڑا فروخت کر دیا، اب جب زیادہ رقم لے کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور خوشی سے بتایا کہ اس کے کچھ عرصہ روک دینے اور کچھ قیمت بڑھانے سے زیادہ دام وصول ہوئے ہیں، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب جواب دیا، فرمایا کہ: معاذ اللہ! اللہ کی پناہ! آپ نے تو لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے، یہ کہہ کر خفا ہو گئے، فرمایا کہ: اس مال میں اشتباہ پیدا ہو گیا، لوگوں نے اپنی مجبوری کی وجہ سے زیادہ رقم ادا کی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نفع پر خفا ہوئے کہ چونکہ اس نفع میں شبہ پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا یہ مال میں نہیں لوں گا، یہ میرے کام کا اب نہیں ہے۔ فرمایا: جاؤ! یہ سب غریبوں میں تقسیم کر دو، اس لیے کہ جب لوگوں کو ضرورت تھی تو تمہیں اسی وقت یہ چیز مقررہ قیمت پر بیچنی چاہیے تھی۔ اصل رقم اور نفع سارا تقسیم کروا دیا۔ دیکھیے! یہ لوگ کیسے اپنے آپ کو مشتبہات سے بچاتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو کیا ہی کہنا! ان کے بلند رتبے اور ذوق تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے! یہ حضرات مباح اور جائز اُمور کو بھی بسا اوقات ترک کر دیتے تھے کہ کہیں ہم ممنوع کی جانب نہ چلے جائیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری شریف میں آتا ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس چیز میں سے کچھ کھالیا، اس کے بعد غلام نے بتایا کہ مجھے یہ چیز اس طرح حاصل ہوئی تھی کہ اسلام کے دور سے پہلے جاہلیت کے دور میں ایک آدمی کو میں نے اپنے آپ کو کاہن ظاہر کر کے کچھ بتلایا تھا، جیسے نجومی کاہن لوگ ہوتے ہیں، لوگوں کو

مستقبل کے احوال وغیرہ بتلاتے رہتے ہیں، شریعت نے ان چیزوں سے سخت منع کیا ہے، ایسے لوگوں کے پاس جانا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ ان سے مستقبل کے احوال پوچھے جائیں یا ان پر یقین کیا جائے، شریعت میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ بہرحال! غلام نے کہا کہ اس کہانت کے بدلہ میں اس شخص نے مجھے یہ چیز دی تھی جو میں نے آپ کو کھانے کے لیے دی۔ بخاری شریف میں ہے: ''فَأَدْخَلَ أَبُوبَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهِ''... ''صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی کہ یہ چیز تو مشتبہ ہوگئی''۔ دیکھیے! یہ لاعلمی میں جو کھالیا یہ حرام نہیں تھا، مگر یہ ان حضرات کا تقویٰ تھا کہ جیسے ہی اشتباہ پیدا ہوگیا تو انہوں نے فوراً اپنے پیٹ سے اس چیز کو نکال دیا۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دودھ نوش فرمایا تو انہیں بہت اچھا لگا، جس شخص نے انہیں دودھ پلایا تھا اس سے امیر المؤمنین نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں کا ہے؟ اس نے انہیں بتایا کہ ایک پانی پر (یعنی نام لے کر بتایا کہ فلاں جگہ جہاں پانی تھا) میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ زکوۃ کے بہت سے اونٹ موجود ہیں اور انہیں پانی پلایا جارہا ہے، پھر اونٹ والوں نے اونٹوں کا تھوڑا سا دودھ نکالا، اس میں سے تھوڑا سا دودھ میں نے بھی لے کر اپنی مشک میں ڈال لیا، یہ وہی دودھ ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا اور قے کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کمالِ تقویٰ اور انتہائی ورع کی بنا پر تھا، ورنہ تو جہاں تک مسئلے کی بات ہے، یہ تو اگر مستحقِ زکوۃ' مال کا مالک ہوجانے کے بعد اسے کسی غیر مستحقِ زکوۃ کو ہبہ کردے یا اسے تحفہ کے طور پر دے دے تو اسے استعمال میں لانا اور کھانا جائز ہے۔

مشتبہ الفاظ سے اجتناب کا حکم

ایسی باتوں سے اجتناب کریں جن سے اشتباہ پیدا ہوتا ہو، قرآن کریم نے اہلِ ایمان کو مشتبہ الفاظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے غلام یا باندی کو ''عبدي'' اور ''أمتي'' نہ کہو، اگرچہ ''عبدي'' کا ظاہری ترجمہ یہی ہے کہ اے میرے غلام! مگر اس لفظ سے یہ اشتباہ ہوسکتا ہے کہ پکارنے والا شاید اپنے آپ کو معبود سمجھ رہا ہو اور کہہ رہا ہو کہ ''عبدي'' اے میرے بندے! اور ''أمتي'' اے میری بندی! حالانکہ معبود تو صرف اللہ کی ذات ہے، تو ان الفاظ کے استعمال سے منع فرمادیا، ان کے بجائے فرمایا کہ: یہ کہہ دو: اے جوان! اسی طرح صحیح مسلم کی ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ: ''لَا تَقُولُوا لِلْعِنَبِ الْكَرَمَ''... ''انگور کو ''کرم'' نہ کہو'' کیونکہ کرم کے معنی فیاضی، سخاوت اور بخشش کے ہیں، اور کرم تو مومن آدمی کا دل ہوا کرتا ہے۔ انگور سے چونکہ شراب بنائی جاتی ہے، اس لفظ سے بالواسطہ شراب کی تعریف ہوتی

ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے انگور کو کرم کہنے سے بھی منع فرمادیا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا، اپنے آپ کو محفوظ رکھا، اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔ لہٰذا جو شخص مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اسے نہ اپنے دین کے معاملہ میں کسی خرابی کا خوف رہے گا اور نہ کوئی اس پر طعن وتشنیع کرے گا۔ پھر رسول ﷺ نے فرمایا: ''اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں۔''

آپ نے مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہونے والے کو ممنوعہ چراگاہ کے قریب عام جانور چرانے والے چرواہے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح چرواہے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو کسی دوسرے شخص کی ممنوعہ چراگاہ سے دور رکھ کر چرائے، تاکہ اس شخص کے جانور اس دوسرے آدمی کی چراگاہ میں نہ گھس جائیں اور اگر چرواہا اپنے جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ کی مینڈ پر چرائے گا تو پھر اس بات کا ہر وقت اندیشہ رہے گا کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں گھس جائیں جس کے نتیجہ میں اسے مجرم قرار دے دیا جائے گا۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے دور رہے، تاکہ حرام چیزوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور مشتبہ چیزوں سے دور رہنے کا حکم اسی بنا پر ہے، تاکہ آدمی حرام سے بچ پائے، اور شریعت کی اصطلاحات میں اس کو ''سدِ ذرائع'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال حدیث سے بیان فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ''مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ''... ''اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ اپنے ماں باپ کو اگرچہ حقیقت میں خود گالی نہیں دیتے، مگر ان کو گالی دلوانے کا سبب ضرور بنتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دوسروں کے والدین کو گالی دینا یہ ذریعہ اور سبب بنتا ہے اپنے والدین کو گالی دلوانے کا، لہٰذا دوسروں کے والدین کو سب وشتم کردینے سے بھی منع کردیا، تاکہ یہ ذریعہ اور سبب نہ بنے آدمی کے اپنے والدین کی بے حرمتی کا۔ اس کو سدِ ذریعہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں شبہات سے بچنے کا حکم دیا، تاکہ حرام میں پڑنے سے آدمی محفوظ ہو جائے۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ جان لو کہ ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے، اس کی اپنی حدود ہوتی ہیں، جس میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں

ہوتی، اور جو داخل ہو جائے وہ مجرم سمجھا جاتا ہے، سزا کا مستحق بنتا ہے، اس کی گرفتاری عمل میں لائی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ اور حدود حرام چیزیں ہیں کہ جن میں مبتلا ہونا لوگوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے، لہٰذا جو کوئی اس ممنوعہ علاقہ میں داخل ہوگا یعنی حرام چیزوں کا ارتکاب کرے گا وہ عذاب کا مستحق قرار دیا جائے گا اور پھر ان حرام چیزوں میں بھی بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے مرتکب کی بخشش ہی نہیں ہوگی، جیسے: شرک، اور کچھ گناہ اور جرائم ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ چاہے ان کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ بخشے چاہے نہ بخشے، البتہ سچے دل کے ساتھ توبہ استغفار سے ہر چیز بخشی جائے گی۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسی چیزوں کے قریب بھی نہ جائے جن کی وجہ سے حرام کا دروازہ اس کے لیے کھلتا ہو، یا جن کی وجہ سے وہ حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہو۔ علماء لکھتے ہیں کہ جب بندہ اپنی معاشی، تمدنی اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں ضرورت پر اکتفاء کر لیتا ہے، یعنی بقدرِ ضرورت ہی کمائی، نفع اور کھانا پینا ہو کہ جس سے اس کا وجود اور اس کی عزت باقی رہے تو ایسا شخص اپنے دین میں ہر خطرہ سے سلامت رہتا ہے اور جب انسان ضرورت کی حد سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو مکروہات میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ حرص و ہوس حدِ مکروہات سے نکال کر محرمات کی مد میں داخل کر دیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اگلا قدم کفر میں پہنچ جاتا ہے۔ العیاذ باللہ!

حدیث مبارکہ کے آخر میں رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''اس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ (ایمان اور اعمالِ خیر کی وجہ سے) درست رہتا ہے تو پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔'' علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں اخیر میں رسول اللہ ﷺ نے دل کا ذکر کیا ہے، اور حدیث کی ابتداء میں حلال و حرام اور مشتبہات کا ذکر ہے۔ اس ترتیب سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ دل کی صفائی اور پاکی کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان حلال پر اکتفاء کرنے والا بنے۔ حرام سے بھی اور مشتبہ چیزوں سے بھی اپنے آپ کو دور رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حلال پر قناعت نصیب فرمائے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

مراجع ومصادر

ابوداؤد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، تاریخ ابن کثیر،، تاریخ ابن خلدون، مشکوۃ المصابیح، مظاہر حق، بریقۃ محمودۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، معارف الحدیث، معارف القرآن، تفسیر ابن کثیر، تحفۃ المسلمین، موسوعۃ الخطب والدروس، خطب ومحاضرات للشیخ عائض القرنی، معالم العرفان، فتاویٰ رشیدیہ، مؤطا امام مالکؒ، سیر الصحابہؓ

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴

ڈاکٹر مولانا انعام اللہ
چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

(یتیم پوتے وغیرہ کی میراث)

اسلامی احکام کی روشنی میں تحقیقی جائزہ (تیسری قسط)

دوسری صورت

یتیم پوتی دادا کی وارث بن جائے، جبکہ اس کی پھوپھی یعنی دادا کی بیٹی موجود ہو، اور دادا کی بہن بھی موجود ہو۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ دادا کی وفات کے وقت اس کے رشتہ داروں میں بیٹی، بہن اور یتیم پوتی موجود ہیں تو عائلی قوانین کی دفعہ وراثت کی رو سے پوتے کو دادا کے مال میں سے اپنے مرحوم والد کا پورا حصہ مل جائے گا، جو بیٹی کے حصہ کا دگنا ہوگا، اس لیے کہ ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' میں یہی حکم ہے۔ یوں پوتی کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ مل جائے گا، جبکہ بہن محروم رہ جائے گی۔

جبکہ شریعتِ مطہرہ کی رو سے کل مال کا آدھا بیٹی کو مل جائے گا، سدس (چھٹا حصہ) پوتی کو مل جائے گا اور باقی ماندہ حقیقی بہن کو مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ دونوں تقسیمیں ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں۔ بہرحال اس تقسیم کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی حسبِ ذیل حدیث شریف ہے:

''عَنْ هُزَيْلِ بْنَ شُرَحْبِيْلَ، قَالَ: سُئِلَ أَبُوْ مُوْسٰى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ، فَقَالَ: لِلْبِنْتِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَأْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ، فَسَيُتَابِعُنِيْ، فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِيْ مُوْسٰى فَقَالَ: لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ، أَقْضِيْ فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوْسٰى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ: لَا تَسْأَلُوْنِيْ مَا دَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ''(۱)

''ہزیل بن شرحبیلؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بیٹی، پوتی اور بہن وراث ہوں (تو کتنا حصہ ملے گا؟) فرمایا: آدھا بیٹی کو اور آدھا بہن کو مل جائے گا۔ (اور سائل سے کہا کہ): ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جائیے، وہ ضرور میری موافقت کریں گے۔ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، اور ان کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول بھی بتایا گیا، تو آپؓ نے فرمایا: (اگر میں بھی یہی بات کروں تو) پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہیں رہوں گا۔ میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے: ''بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا ملے گا، تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اور باقی ماندہ بہن کو ملے گا'' تو ہم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بتایا، تو (اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے) فرمایا: جب تک یہ بڑا عالم تمہارے اندر موجود رہے، تم مجھ سے نہ پوچھا کرو۔''

اس حدیث شریف میں رسول ﷺ کا فیصلہ صراحتاً معلوم ہوگیا کہ صلبی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا، اور بہن عصبہ ہوگی، یعنی ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ بہن کو ملے گا، بیٹی کی موجودگی میں بہن کا عصبہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فِيْ هٰذَا بَيَانُ أَنَّ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ وَهُوَ قَوْلُ جَمَاعَةِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَعَامَّةِ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ.''(۲)

''اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ بہنیں بیٹوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں اور یہ صحابہؓ، تابعینؒ اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نقل کرتے ہیں:

''بَابٌ: مِيْرَاثُ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ: عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَضَى فِيْنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: النِّصْفُ لِلِابْنَةِ وَالنِّصْفُ لِلْأُخْتِ.''(۳)

''بہنوں کی میراث، بیٹوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔ اسودؒ سے روایت ہے، فرمایا کہ عہدِ رسالت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ آدھا بیٹی کو ملے گا اور آدھا بہن کو ملے گا۔''

قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابیؓ کا فیصلہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، جو حدیثِ تقریری کہلاتی ہے، چنانچہ اس مسئلے میں بھی فقہاء کا اجماع ہے۔ عبارات ملاحظہ ہوں:

فقہ حنفی:

''فَإِنَّ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ فَيَكُوْنُ لِلْأُخْتِ مَا بَقِيَ.''(۴)

''بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں، پس بہن کو باقی ماندہ ملے گا۔''

فقہ مالکی

''وَالْأَخَوَاتُ الشَّقَائِقُ وَلِلْأَبِ عَصَبَةٌ مَعَ الْبَنَاتِ.''(۵)

''سگی بہنیں اور علاتی (باپ شریک) بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔''

فقہ شافعی

''قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: '' وَلِلْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ مَا بَقِيَ إِنْ بَقِيَ شَيْءٌ وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ لَهُنَّ وَيُسَمَّيْنَ بِذٰلِكَ عَصَبَةَ الْبَنَاتِ '' قَالَ الْمَاوَرْدِيُّ: ...الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ لَا يُفْرَضُ لَهُنَّ وَيَرِثْنَ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الْبَنَاتِ.''(۶)

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیٹیوں کے ساتھ بہنیں آ جائیں، تو ان کو باقی ماندہ ملے گا، اگر باقی ماندہ ہو، ورنہ ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس طرح ان کو عصبۃ البنات کہا جاتا ہے۔ ماوردی فرماتے ہیں: بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہیں، جن کا حصہ مقرر نہیں، وہ بیٹیوں کے مقررہ حصے کے بعد باقی ماندہ کی وارث ہوتی ہیں۔''

فقہ حنبلی

''وَإِنِ اجْتَمَعَ الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ، صَارَ الْأَخَوَاتُ عَصَبَةً، لَهُنَّ مَا فَضُلَ.''(۷)

''اگر بیٹیوں کے ساتھ بہنیں جمع ہو جائیں، تو بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں، ان کو باقی ماندہ ملتا ہے۔''

حاصل یہ ہوا کہ قرآن وسنت کی نصوص اور فتاویٰ صحابہؓ کی روشنی میں منعقد ہونے والے اجماعِ اُمت کے مطابق توزیرِ بحث صورت میں پوتی کو سدس (چھٹا) حصہ ملتا ہے اور بہن بھی وارث ہوتی ہے، لیکن عائلی قوانین کی دفعہ ۴ کے مطابق پوتی کو حصے، یعنی بیٹی سے بھی زیادہ ملے گا، اور بہن محروم ہوگی، لہٰذا اس حیثیت سے بھی دفعہ ۴ شرعی احکام سے بالکلیہ متصادم ہے۔

تیسری صورت

یتیم نواسے/ نواسیاں نانا کے مال میں وارث بن جائیں، جبکہ ان کے ماموں/ خالہ یعنی نانا کی صلبی اولاد موجود ہو۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو جائے، اس کے رشتہ داروں میں صلبی اولاد بیٹے/ بیٹیاں موجود ہوں اور یتیم نواسے/ نواسیاں بھی موجود ہوں، تو عائلی قوانین کی دفعہ کی رو سے نواسوں/ نواسیوں کو میراث ملے گی، جس کی مقدار یہ ہوگی کہ اگر ان کی والدہ حیات ہوتی، اس کو اپنے والد کے مال میں سے جتنا حصہ ملتا، مثلاً بھائیوں سے نصف، تو یہ حصہ اب اس کے بچوں، یعنی مرنے والے کے نواسوں/ نواسیوں کو ملے گا۔

جبکہ شریعتِ مطہرہ کی رو سے اس صورت میں نواسے/نواسیاں وارث نہیں ٹھہرتے، اس لیے کہ وہ نہ تو ذوی الفروض ہیں، جن کا حصہ قرآن میں مقرر ہے اور نہ عصبات ہیں کہ وہ باقی ماندہ کے وارث بنیں، بلکہ ذوی الارحام ہیں۔ اور ذوی الارحام کے وارث بننے کے حوالے سے دو قول ہیں: ایک قول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ذوی الأرحام کسی صورت میں وارث نہیں ہوتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور فقہاء میں سے امام مالکؒ و امام شافعیؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آیات المواریث میں ذوی الفروض وعصبات کی میراث کا ذکر تو ہے، لیکن ذوی الارحام کا ذکر نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں۔

دوسرا قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، جس کے مطابق ذوی الفروض اور عصبات کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ذوی الأرحام وارث بنتے ہیں۔ اس قول کو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اور فقہاء میں سے ائمہ احناف نے لیا ہے۔ اس قول کی بنیاد سورۂ انفال کی حسب ذیل آیتِ کریمہ ہے:

''وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ.''(۸)

''ناتے والے (رشتے دار) آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں۔''

چند احادیث سے بھی استدلال کیا گیا۔(۹)

بہرحال جس قول کے مطابق ذوی الارحام وارث بنتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذوی الفروض (سوائے زوجین کے) اور عصبات موجود نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام وارث بنتے ہیں۔ ''الدر المختار'' میں ہے:

''بَابُ تَوْرِيثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ (هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصَبَةٍ) فَهُوَ قِسْمٌ ثَالِثٌ حِينَئِذٍ (وَلَا يَرِثُ مَعَ ذِي سَهْمٍ وَلَا عَصَبَةٍ سِوَى الزَّوْجَيْنِ) لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَيْهِمَا. فَهُمْ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ، ثُمَّ أَصْلُهُ ثُمَّ جُزْءُ أَبَوَيْهِ ثُمَّ جُزْءُ جَدَّيْهِ.''(۱۰)

''باب: ذوی الارحام کا وارث بننا: ذوی الارحام وہ رشتہ دار ہیں، جو ذوی الفروض اور عصبہ میں سے نہ ہوں۔ یہ تیسری قسم ہے۔ ذوی الارحام' ذوی الفروض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں بنتے، سوائے زوجین کے (کہ ان کے ساتھ وارث بنتے ہیں) اس لیے زوجین پر رد نہیں ہوتا۔ ذوی الارحام چار قسم پر ہیں: ۱:- میت کا جزء، ۲:- میت کا اصل، ۳:- میت کے والدین کا جزء، ۴:- والدین کے دادا یا دادی کا جزء۔''

اب تک کی بیان کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ دفعہ ۴ ''وراثت'' کو درست ماننے کی صورت میں عملی طور پر تین صورتیں ممکن ہیں۔ ان میں سے ہر صورت کے متعلق قرآن وسنت کے احکام کچھ اور

ہیں، جبکہ دفعہ ۴ کی رُو سے اس کے احکام بالکل بدل جاتے ہیں، اس لیے اس دفعہ کو تسلیم کرنے کی صورت میں ان تمام شرعی احکام کو پسِ پشت ڈالنا ہوگا۔ لہٰذا اس دفعہ کے مطابق میراث کی تقسیم قرآن وسنت میں تحریف کے مترادف ہے، جو انتہائی خطرناک عمل ہے۔

علاوہ ازیں! میراث کے دیگر کئی اصول اور شرعی احکام ہیں۔ اس دفعہ پر عمل کرنے کی صورت میں ان تمام اصول واحکام کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

کتاب وسنت سے ماخوذ احکامِ میراث کے بنیادی اُصول

پہلا اصل: مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ورثاء وارث ہوتے ہیں۔

دوسرا اصل: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوتا ہے۔

تیسرا اصل: صلبی اولاد کی طرح دوسرے رشتہ دار بھی وارث ہوتے ہیں۔

چوتھا اصل: ہر وارث وارث ہوتا ہے، خواہ اس کی اولاد ہو یا نہ ہو۔

متذکرہ بالا اُصول کی توضیح وتشریح

پہلا اصل: مورث کی وفات کے وقت زندہ موجودہ ورثاء وارث ہوتے ہیں۔

اس اصول کے دو جزء ہیں:

الف:- کسی شخص کا مال وفات کے وقت میراث بنتا ہے، وفات سے پہلے نہیں۔

ب:- زندہ موجود رشتہ داروں کا میراث میں حصہ ہوتا ہے، وفات شدگان کا نہیں۔ یہ اصول درج ذیل آیاتِ خداوندی میں بیان ہوا ہے:

''إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ.''(۱۱)

''اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کا بیٹا نہیں اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے بیٹا۔''

''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ.''(۱۲)

''تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے، اور عورتوں کے لیے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد، اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ تم نے چھوڑا۔''

ان آیاتِ کریمہ میں دو امر مذکور ہیں: پہلا یہ کہ: یہاں تین کلمات استعمال ہوئے ہیں: ا:-**ھلک**،۲:-**ترک**،۳:-**ترکتم**، جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی آدمی مرجائے اور مال چھوڑ جائے تو اس میں کسی وارث کو نصف یا ربع ملے گا، گویا جب تک کوئی شخص زندہ ہے اس کے مال میں کسی وارث اور رشتہ دار کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ کہ: زندہ موجود رشتہ داروں کا حصہ بیان کیا گیا ہے، یعنی ''وَلَهَا أُخْتٌ'' (اس کی بہن ہو) ''وَلَكُمْ نِصْفُ'' اور ''وَلَهُنَّ الرُّبُعُ''۔ جبکہ ''إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ'' اور ''إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ'' اور ''إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ'' میں تین مرتبہ کہا گیا ہے کہ اولاد نہ ہو۔ اس میں یہ صراحت ہے کہ غیر موجود اولاد (خواہ پیدا ہی نہ ہوئی ہو، یا پیدا ہونے کے بعد مرگئی ہو) حصہ دار نہ ہوگی، بلکہ ان کی غیر موجودگی کی وجہ سے موجود ورثاء کے حصے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں:

''وَكَانَ مَعْقُوْلًا عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ- صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ثُمَّ فِيْ لِسَانِ الْعَرَبِ وَقَوْلِ عَوَامِّ أَهْلِ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا أَنَّ امْرَأً لَا يَكُوْنُ مَوْرُوْثًا أَبَدًا حَتّٰى يَمُوْتَ، فَإِذَا مَاتَ كَانَ مَوْرُوْثًا وَأَنَّ الْأَحْيَاءَ خِلَافُ الْمَوْتٰى فَمَنْ وَرِثَ حَيًّا دَخَلَ عَلَيْهِ- وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ - خِلَافَ حُكْمِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحُكْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا: وَالنَّاسُ مَعَنَا بِهٰذَا لَمْ يَخْتَلِفْ فِيْ جُمْلَتِهِ.''(۱۳)

''اور وہ امر جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ، پھر عربی زبان اور ہمارے وطن (مکہ معظّمہ) کے اہلِ علم کے قول سے سمجھا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کبھی موروث (مورث) نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ مرنہ جائے۔ پھر جب وہ مرجائے گا تو موروث قرار دیا جائے گا۔ اور بلا شبہ زندہ کے احکام مردوں سے الگ ہیں، لہٰذا جو شخص کسی زندہ کو مورث قرار دیتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں مداخلت کرتا ہے، چنانچہ ہم اور ہمارے ساتھ سب لوگ اسی بات کے قائل ہیں اور اس میں سرے سے کسی کا اختلاف نہیں۔''

دوسرا اصل: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے: یہ اصل انہی الفاظ میں قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیتِ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.''(۱۴)

تیسرا اصل: صلبی اولاد کی طرح دیگر رشتہ دار بھی وارث ہوتے ہیں، مثلاً: والدین، بیوی، شوہر، اور کلالہ (جس کے نہ والدین ہوں اور نہ اولاد) کی صورت میں بہن اور بھائی، یہ بات آیات المواریث میں صراحتاً بیان کی گئی ہے۔

چوتھا اصل: وارث اپنے مورث کا وارث ہوتا ہے، خواہ وہ صاحبِ اولاد ہو یا نہ ہو۔

اس اصل کا مفہوم یہ ہے کہ مرنے والے کے ورثاء اس میت کی میراث کے مطلقاً وارث

ہوتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ وارث خود صاحبِ اولاد ہو یا نہ ہو۔ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی قید نہیں، کہ اگر وارث صاحبِ اولاد ہو تو وہ وارث ہوگا اور اگر صاحبِ اولاد نہ ہو تو وارث نہیں ہوگا۔

حوالہ جات

۱:-محمد بن إسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب میراث ابنۃ الابن مع بنت، رقم الحدیث: ۶۷۳۶، جلد: ۸، ص: ۱۵۱۔

۲:-الخطابی، أبوسلیمان احمد ابن محمد، معالم السنن، شرح سنن أبی داؤد، (المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۳۵۱ھ) جلد: ۴، ص: ۹۴۔

۳:-محمد بن إسماعیل البخاری، ۱۴۲۲ھ، رقم الحدیث: ۶۷۴۱، جلد: ۸، ص: ۱۵۱ (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)

۴:-السرخسی، المبسوط، ۱۴۱۴ھ، جلد: ۲۹، ص: ۲۰۔

۵:-الغرناطی، أبوالقاسم محمد بن أحمد، متوفی: ۷۴۱ھ، القوانین الفقہیۃ، جلد: ۱، ص: ۲۵۴۔

۶:-الماوردی، أبوالحسن علی بن محمد المزنی، الحاوی الکبیر فی فقہ مذہب الامام الشافعی، شرح مختصر المزنی (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ) جلد: ۸، ص: ۱۰۷۔

۷:-المقدسی، أبومحمد موفق الدین محمد بن قدامۃ الحنبلی، م: ۶۲۰ھ، الکافی فی فقہ الإمام أحمد، (دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۴ھ) جلد: ۲، ص: ۳۰۰۔

۸-الأنفال: ۸۔

۹:-دیکھئے: السرخسی، المبسوط، ۱۴۱۴ھ، جلد: ۴، ص: ۳-۸۔

۱۰:-ابن عابدین، ردالمحتار، ۱۴۱۲ھ، جلد: ۶، ص: ۷۹۳۔

۱۱:-النساء: ۱۷۶۔

۱۲:-النساء: ۱۲۔

۱۳:-کتاب الأم، جلد: ۴، ص: ۷۸۔

۱۴:-النساء: ۱۷۶۔

(جاری ہے)

مذاہبِ اربعہ

مولوی فضل الرحمٰن
متعلم تخصصِ فقہِ اسلامی، جامعہ

ائمہ، تلامذہ، فقہی مناہج، اُمہات الکتب

ایک مختصر تعارف (تیسری اور آخری قسط)

مذاہبِ اربعہ، ایک نظر میں

ذیل کی سطور میں گزشتہ تحریر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے:

حنفی مذہب

حنفی مذہب کے مؤسس امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۸۰ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ، امام وکیعؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، عافیہ بن یزیدؒ، یحییٰ بن ابی زائدہؒ اور قاسم بن معنؒ کا شمار ہوتا ہے۔

فقہی منہج کی بنیاد ۱۱ اصول ہیں: ۱: کتاب، ۲: سنت، ۳: اجماع، ۴: قیاس، ۵: استحسان، ۶: اقوالِ صحابہؓ، ۷: عرف، ۸: مصالحِ مرسلہ، ۹: سدِ ذریعہ، ۱۰: استصحابِ حال، ۱۱: شرائع من قبلنا۔

امہات الکتب میں مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیرِ صغیر، سیرِ کبیر، زیادات، مبسوطِ سرخسی، بدائع الصنائع، ہدایہ، فتاویٰ ہندیہ اور ردالمحتار وغیرہ گنے جاتے ہیں۔

مالکی مذہب

مالکی مذہب کے مؤسس امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ مشہور تلامذہ عبدالرحمٰن بن قاسمؒ، اشہب بن عبدالعزیزؒ، محمد بن المواز الاسکندریؒ، عبدالسلام بن سعید سحنون التنوخیؒ، عبدالملک بن حبیب اندلسیؒ وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔

فقہی منہج کی بنیاد ۱۲ اُصولوں پر ہے: ۱: کتاب، ۲: سنت، ۳: اجماع، ۴: قیاس، ۵: تعاملِ اہلِ

مدینہ، ۶: قول صحابیؓ، ۷: استحسان، ۸: سدِ ذریعہ، ۹: مراعاۃ الخلاف، ۱۰: استصحابِ حال، ۱۱: مصالحِ مرسلہ، ۱۲: شرائع من قبلنا۔

اُمہات الکتب میں ''المدونة''، ''الواضحة''، ''المستخرجة''، ''الموازية''، ''مختصر خليل'' وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔

شافعی مذہب

شافعی مذہب کے مؤسس محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو غزوہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۲۰۴ھ کو وفات پائی۔ ممتاز تلامذہ میں یوسف بن یحییٰ البویطی، اسماعیل بن یحییٰ مزنی، عبداللہ بن زبیر حمیدی، ربیع بن سلیمان المرادی، حرملہ بن یحییٰ وغیرہ نمایاں ہیں۔

فقہی منہج کی بنیاد چار اُصول ہیں: ۱: کتاب، ۲: سنت، ۳: اجماع، ۴: قیاس۔

اُمہات الکتب میں ''الأم''، ''متصر المزني''، ''المهذب''، ''مغنی المحتاج''، ''نهاية المحتاج'' وغیرہ کے نام گنتی میں آتے ہیں۔

حنبلی مذہب

حنبلی مذہب کے مؤسس امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ مشہور تلامذہ میں صالح بن احمد بن حنبل، عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابوبکر احمد بن محمد الاثرم، ابوبکر احمد بن محمد المروزی، عبدالملک بن عبدالحمید وغیرہ کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

فقہی منہج آٹھ اُصولوں پر استوار ہوتا ہے: ۱: کتاب، ۲: سنت، ۳: فتویٰ صحابیؓ، ۴: اجماع، ۵: قیاس، ۶: استصحابِ حال، ۷: مصالحِ مرسلہ، ۸: سدِ ذریعہ۔

امہات الکتب میں ''مختصر الخرقي''، ''الكافي''، ''المغني''، ''العمدة''، ''الإنصاف''، ''الاقناع''، ''منتهى الإرادات'' وغیرہ مشہور ہیں۔ (انتہیٰ)

حضرت مولانا محمد اسفندیار خان نور اللہ مرقدہٗ

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ دارالخیر کے بانی، رئیس وشیخ الحدیث، ہزاروں علماء ومسترشدین کے استاذ وپیرومرشد، کراچی کی معروف دینی وعلمی شخصیت حضرت مولانا محمد اسفندیار خان ۸۵ سال اس دنیائے رنگ وبو میں گزار کر ۱۹ر صفر المظفر ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۲۰۱۹ء کو راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

حضرت مولانا موصوف کی ولادت باسعادت ۱۹۳۴ء میں سابق ریاست سوات، شانگلہ پار پیرخانہ گاؤں میں عبدالجمیلؒ کے گھر میں ہوئی۔ ریاست سوات میں پیرخانہ فصلِ خصومات کے لیے مرجعِ خلائق تھا۔ پیرخانہ میں تین خاندان آباد ہیں: حضرت اخوند درویزہ باباؒ کی اولاد جو میاں گان کہلاتے ہیں۔ سلطان محمود غزنویؒ کی اولاد جو کہ علماء کرام کہلاتے ہیں۔ تیسرا خاندان خان لوگوں کا ہے جو خانان کہلاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسفندیار خانؒ کے دادا جان اپنے علاقے کے بڑے اور مشہور عالم تھے، جنہوں نے تحصیلِ علم کے لیے کوہستان میں دور دراز کا سفر کیا۔ آپؒ کے دادا جان کی ایک امتیازی شان یہ تھی کہ انہوں نے تمام کتب کو زبانی یاد کرلیا تھا، ان کے حلقۂ درس میں ۱۲۰ سے زیادہ طلبہ رہتے تھے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ کا تعلق اخون خیل میاں گان خاندان سے ہے اور آپؒ کے والد ماجد کا تعلق سلطان محمود غزنویؒ کی اولاد یعنی علماء کرام سے تھا، گویا آپؒ نجیب الطرفین تھے۔

حضرت موصوفؒ نے قرآن مجید کا بیشتر حصہ اپنے والد صاحبؒ کے پاس پڑھا، تاہم تکمیل اپنے استاذ احمد صاحب مرحوم سے کی جو ایک پرائیویٹ پرائمری اسکول کے روح رواں استاذ تھے۔ آپؒ نے پرائمری تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی۔ آپؒ کے ممتاز اساتذہ میں مندرجہ ذیل نابغۂ روزگار

ہستیاں شامل ہیں:

ا:- عارف باللہ حضرت مولانا خان بہادر صاحب مرحوم عرف مارتونگ باباؒ، جو کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ اور حضرت مولانا احمد امروہیؒ کے شاگرد تھے، جبکہ یہ دونوں حضرات' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے۔ اس طرح حضرت موصوفؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم کے تیسرے درجے کے شاگرد تھے اور حضرت موصوفؒ فرماتے تھے کہ مجھے اس نسبت پر فخر ہے۔ حضرت موصوفؒ مزید فرماتے تھے کہ: جہاں تک کتبِ تفسیر کا تعلق ہے تو میں نے تفسیر جلالین حضرت خان بہادر مرحوم عرف مارتونگ باباؒ سے پڑھی اور میں تفسیر جلالین اسی طرح پڑھاتا ہوں جس طرح میرے استاذ احمد حسن مرحوم پڑھایا کرتے تھے اور مولانا احمد حسن مرحوم فرماتے تھے کہ: میں اسی طرح پڑھاتا ہوں جس طرح حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ پڑھاتے تھے۔ ۲:- حضرت مولانا عبدالعلیم مرحوم عرف اوڈیگرام باباؒ۔ ۳:- حضرت مولانا عبدالغفور صاحب المعروف شین باباؒ۔ ۴:- حضرت مولانا نذیر صاحبؒ۔

چونکہ آپ کی سند عالی تھی، اس لیے بہت سے علماء نے آپ سے اجازتِ حدیث لی تھی۔ حضرت مولانا محمد اسفندیار خان نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد کئی ممالک میں موجود ہیں، جن میں ساؤتھ افریقا، سری لنکا، سعودی عرب، قطر، ایران، کینیڈا، انڈیا، بنگلہ دیش، انگلینڈ، تھائی لینڈ، ملائشیا وغیرہ ہیں۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد اسفندیار خان نوراللہ مرقدہٗ نے ۱۹۵۰ء میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ مارکیٹ سے درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور کم عمر ترین شیخ الحدیث کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ یہ مدرسہ شیخ الہند حضرت محمود حسنؒ کے سپاہی مولانا محمد صادقؒ کا تھا جو تحریکِ ریشمی رومال کا مرکز بھی رہا۔ ۱۹۶۶ء میں بکرا پیڑی لیاری میں ایک چھوٹی سی مسجد قباء اور ایک ادارہ جامعہ دارالخیر کے نام سے قائم فرمایا جو ایک پودے کی صورت میں زمین کا سینہ چیر کر پھلنے پھولنے لگا، حتیٰ کہ آج ایک شجر سایہ دار کی صورت میں آپ کے سامنے موجود ہے اور دور دور سے تشنگانِ علومِ دینیہ یہاں اپنی پیاس بجھانے کے لیے آتے ہیں۔ یہی وہ ادارہ ہے جو تمام اکابر علماء کا مرکز رہا۔ حضرت مولانا ہزاروی، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا مفتی محمود، مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا عبیداللہ انور، محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالشکور دین پوری، مولانا غلام اللہ خان، مولانا ضیاء القاسمی (رحمۃ اللہ علیہم) اور دیگر مشائخ یہاں تشریف لاتے رہے، یہ چھوٹی سی جگہ اور غریب علاقہ طویل عرصے تک مذہبی ودینی تحاریک کا مرکز رہا۔

جگہ کی تنگی کے باعث جامعہ دارالخیر میں مدرسین وطلباء کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لہٰذا گلستان جوہر میں کے ڈی اے سے ایک ایکڑ رقبہ پر پلاٹ نمبر ST-2 اکتوبر ۱۹۸۸ء میں خرید لیا گیا

اور اس پلاٹ پر جامعہ دارالخیر کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اس وقت محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس قطعۂ اراضی پر ایک مسجد اور ۵۷ کمروں پر مشتمل ایک نہایت عمدہ اور خوبصورت عمارت تعمیر ہو چکی ہے جہاں دور دراز علاقوں سے آنے والے طلبہ دینی علوم کے حصول میں مصروف ہیں۔

حضرت شیخ کا درس بہت سی خصوصیات کا حامل تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی فہم اور ایسا اندازِ بیاں عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل مباحث بھی طلبہ کو دلنشین انداز میں سمجھا دیتے تھے۔ ایک مسئلہ کو مختلف پیرایوں میں مثالوں سے اس طرح بیان فرماتے کہ کم ذہن طلباء بھی اچھی طرح سمجھ جائیں۔ طویل بحث کو آخر میں اس انداز سے سمیٹ دیتے کہ طلبہ ان کو درس گاہ ہی میں یاد کر لیتے۔

آپ کے درس میں ایسی دلچسپی اور کشش ہوتی تھی کہ گھنٹوں سبق جاری رہنے کے باوجود طلباء اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ علم حدیث کے متعلق اہم اور بنیادی کتابوں کا گاہے بگاہے تعارف بھی کرواتے رہتے۔ اس دور کے اہم فتنوں کے حوالے سے مناسب مواقع پر علمی انداز میں مفید تبصرے بھی فرماتے۔ موضوع سے متعلق صرف روایتی مباحث پر ہی اکتفا نہیں فرماتے، بلکہ تزکیۂ نفس واحسان کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے رہتے اور زیرِ درس حدیث کا طلباء کی عملی زندگی سے تعلق بھی واضح فرما دیتے۔ اخلاص وللّٰہیت، دینی خدمات کے لیے ہر قسم کے دنیاوی مفادات کی قربانی کے جذبہ، جزوی امور میں اختلاف رائے کے باوجود علمائے حق کا احترام اور دوسرے اہم امور کے متعلق اللہ والوں، خصوصاً اکابر علماء دیوبند کے ایمان افروز واقعات اپنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے رہتے تھے۔

آپ کی بیعت کا تعلق حضرت خواجہ عبدالمالک نقشبندی نور اللہ مرقدہٗ سے تھا اور انہیں سے آپ کو خلافت بھی حاصل تھی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے قبل جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی اور پاکستان کے الیکشن میں بھی حصہ لیا۔ اسی طرح آپ نے سوادِ اعظم کی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

آپ کے لواحقین میں ایک بیوہ، چھ صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ جبکہ بڑے صاحبزادے مفتی محمد عثمان یار خان رحمۃ اللہ علیہ کو چھ سال قبل دہشت گردوں نے شہید کر دیا تھا۔

آپ کی نمازِ جنازہ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد جامعہ دارالخیر میں ادا کی گئی، جس میں کراچی کے علماء حضرات کے علاوہ کثیر تعداد میں عوام الناس نے شرکت کی۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے کئی اساتذہ بھی آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، ان کی سیئات کو مبدل بحسنات فرمائے، آپ کے ادارہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کے لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دارُالإفتاء

محفلِ میلاد کی واقعاتی اور شرعی حیثیت!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱:- ہمارے اکابرین کے نزدیک ۱۲ ربیع الاول کو یا سال بھر کسی بھی دن کو محفلِ میلاد منانا کیسا ہے؟ نیز اگر زید، عمرو، بکر وغیرہ یہ کہیں کہ حضور ﷺ کا ذکرِ ولادت شریف کفار کے مشابہ ہے، ایسا کہنے والا کیسا ہے؟ مسلمان یا خارجی؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۲:- مُردوں کو جو فاتحہ وغیرہ پڑھ کر بخشی جاتی ہے، اس میں چھوٹے بڑے سب کو ایک جیسا بشر سمجھ کر (مرتبہ کے لحاظ سے) ایک ساتھ ثواب بھیج سکتے ہیں کہ نہیں؟

۳:- اور تعزیت وعرس کے لیے محفل وغیرہ کرانا کیسا ہے؟

تفصیلاً جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

المستفتی: حافظ عامر شہزاد زیندی

الجواب حامداً ومصلیاً

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک خواہ ذکرِ ولادت ہو یا عبادات ومعاملات، شب وروز کے نشست وبرخاست کا ذکر، بلاشبہ باعثِ اجر وثواب اور موجبِ خیر وبرکت ہے اور آپ ﷺ کی بعثت اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بعثت کو بطور احسان کے ذکر فرمایا ہے:

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ'' (آل عمران:۱۶۴)

مروجہ طریقہ پر مجلسِ میلاد (محفلِ میلاد) منعقد کی جاتی ہے، اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں کہیں نہیں ہے، نہ خود بنفسِ نفیس حضور ﷺ نے اپنی نبوت کی تیئیس سالہ زندگی میں یہ مجلس منعقد کی اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ۱۱۰ ہجری تک اس دنیا میں موجود رہے اور ان حضرات کی حضور ﷺ سے محبت یقیناً ہم سے ہزاروں گنا زیادہ تھی، اور اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ

اُمور جو سننِ عادیہ کہلاتے ہیں، ان میں بھی یہ حضرات اتباع کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ چند احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بال سامنے کی طرف سے کچھ بڑے تھے، ان کی والدہ نے ان کے کٹانے سے منع کیا، کیونکہ حضور ﷺ ان بالوں کو پکڑا کرتے تھے اور ان پر ہاتھ پھیرتے تھے:

''عن أنسؓ بن مالک قال: کانت لی ذوائبة، فقالت لي أمي: لا أجزها ، کان رسول اللّٰہ ﷺ یمدها ویأخذها .'' (سنن ابی داؤد، ج:۲،ص:۲۲۵، ط: حقانیہ)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ڈاڑھی کو زرد خضاب لگایا کرتے تھے، کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی اس طرح کیا تھا۔ حدیث شریف میں ہے:

''عن ابن عمرؓ کان یلبس النعال السبتیة ویصفر لحیتهٗ بالورس والزعفران وکان ابن عمرؓ یفعل ذٰلک.'' (سنن ابی داؤد ج:۲،ص:۲۲۶، ط: حقانیہ)

ان احادیث کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی محبت کی عملی تصویر تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی پوری زندگی میں مروجہ طریقہ پر محفلِ میلاد منانے کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ دور کے بعد بھی چھ سو سال تک کسی نے میلاد کے نام پر محافل سجانے کا اہتمام کبھی نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کے بجائے خود کو اتباعِ نبوی میں ڈھالنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اس بدعت کی ابتداء ۶۰۴ھ میں ایک بے دین بادشاہ مظفر الدین کوکری نے اپنی حکومت کو طول دینے، رعایا کو اپنی طرف مائل کرنے، اپنی عظمت ان کے دلوں میں بٹھانے، اور دین سے لگاؤ کا تأثر دینے کے لیے کوئی دینی ڈھونگ رچانے کو بہترین حربہ خیال کیا، چنانچہ اس نے ربیع الاول میں جشنِ میلاد کی بدعت ایجاد کرنے کا منصوبہ بنایا اور اسی مقصد میں پوری طرح کامیابی کے لیے اس نے زبردست تدبیر یہ اختیار کی کہ عمر بن دمیہ ابوالخطاب نامی ایک شخص - جو خود کو عالم کہلواتا تھا - کے ذریعہ اس بدعت کو سندِ جواز فراہم کرنے کے لیے مواد اکٹھا کرنے کا کارنامہ سرانجام دلوایا اور اس کو ایک ہزار دینار کا صلہ دیا، جیسا کہ مشہور و معروف مؤرخ ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الأعیان وأبناء أبناء الزمان'' میں لکھا ہے:

''وأما احتفالهٗ بمولد النبي ﷺ فإن الوصف یقصر عن الإحاطة به، لکن نذکر طرفا منه وهو أن أهل البلاد کانوا قد سمعوا بحسن اعتقادهٖ فیه ، فکان في کل سنة یصل إلیه من البلاد القریبة خلق کثیر من الفقهاء والصوفیة والوعاظ والشعراء ، ولایزالون یتواصلون من المحرم إلٰی أوائل شهر ربیع الأول ، فکان مظفر الدین (ملک أربل) ینزل کل یوم بعد صلاة العصر ویقف علی قبة إلٰی أٰخرها ویسمع غناء هم ویتفرج علٰی خیالاتهم وما یفعلونهٗ في القبات... هٰکذا یعمل کل یوم إلٰی لیلة المولد ، فإذا کان صبیحة یوم المولد أنزل الخلع من القلعة إلٰی الخانقاه علی أیدی الصوفیة ... فإذا فرغوا من هٰذا الموسم

تجهز كل إنسان للعود إلىٰ بلده ، فيدفع لكل شخص شيئًا من النفقة ، وقد ذكرت في ترجمة الحافظ أبي الخطاب ابن دحية في حرف العين وصولهٗ إلى أربل وعمله لكتاب ''التنوير في مولد سراج المنير'' لما رأى من اهتمام مظفر الدين به۔''

(وفیات الاعیان لابن خلکان: ترجمہ مظفر الدین صاحب اربل، رقم الترجمۃ: ۵۴۷، ج:۴،ص:۱۱۷، ط: دار صادر، بیروت)

۲:-''حسن المقصد في عمل المولد'' میں ہے:

''وقال ابن الجوزي في ''مرآة الزمان'': حكي أن بعض من حضر سماط المظفر في بعض الموالد ويعمل للصوفية سماعاً من الظهر إلى الفجر ويرقص بنفسهٖ معهم الخ۔'' (حسن المقصد فی عمل المولد، ص:۴۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

۳.....علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حسن المقصد'' میں اس نو ایجاد کردہ میلاد کو بادشاہ مظفر الدین کے دور کے عالم شیخ ابن دحیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وقد صنف الشيخ أبو الخطاب ابن دحية مجلدا في مولد رسول اللّٰه ﷺ سماه "التنوير في مولد البشير والنذير"، فجازاه على ذٰلك بألف دينار'' (ص:۴۲-۴۳، ط: دار الکتب العلمیۃ)

اگر حقیقتِ حال پر نظر کی جائے کہ وہ تاریخ کونسی تھی جس دن حضور ﷺ کا وجود مبارک اس عالم میں طلوع ہوا تو اس سلسلے میں علماء سیر کا اس پر تو اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائشِ بابرکت ماہ ربیع الاول، پیر کے دن ہوئی، لیکن ربیع الاول کی کس تاریخ کو ہوئی؟! اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں: ۲، ۸، ۹، ۱۲۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے:

''قال ابن إسحاق: ولد رسول اللّٰه ﷺ يوم الاثنين واثني عشر ليلة خلت من شهر ربيع الأول عام الفيل۔'' (سیرۃ ابن ہشام، ج:۱،ص:۱۶۷، ط: دار العباس)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''المواهب اللدنية'' میں لکھتے ہیں:

''واختلف أيضا في الشهر الذي ولد فيه والمشهور أنه ولد في شهر ربيع الأول وهو قول جمهور العلماء ونقل ابن حجرؒ الاتفاق عليه ، وكذا اختلف أيضا في أي يوم من الشهر ، فقيل: إنه غير معين ، إنما ولد يوم الاثنين من ربيع الأول من غير تعيين ، والجمهورِ على أنه يوم معين منه ، وقيل: لليلتين خلت منه. قال الشيخ قطب الدين القسطلاني: وهو اختيار أكثر أهل الحديث، ونقل عن عباس وجبير بن مطعمؓ وهو اختيار أكثر من له معرفة بهٰذا الشأن ، واختاره الحميدي وشيخه ابن حزم، وحكى القضاعي في "عيون المعارف" إجماع أهل التاريخ عليه ، ورواه الزهري عن محمد بن جبير بن مطعم وكان عارفا بالنسب وأيام العرب، أخذ ذٰلك عن أبيه، وقيل: لعشرة وقيل: لاثني عشر وعليه عمل أهل مكة في زيارتهم موضع مولده في هٰذا الوقت، وقيل: سبع عشر وقيل: لثمان عشر وقيل: لثمان باليقين منه، وقيل: إن هٰذين القولين غير صحيحين عمن حكيا عنه بالكلية، والمشهور أنه ولد يوم الاثنين ثاني عشر شهر ربيع الأول وهو قول ابن إسحاق وغيره۔''

(المواہب اللدنیۃ، للشیخ احمد بن محمد القسطلانی، ج:۱،ص:۷۴، ط: بیروت)

''البداية والنهاية'' میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''ثم الجمهور على أن ذٰلک فی شهر ربيع الأول، فقيل: لليلتين خلتا منه، وقيل: لثمان خلون منه ورواه ابن أبي شيبة فی مصنفه عن عفان عن سعيد بن مينا عن جابرؓ وابن عباسؓ أنهما قالا: ولد رسول اللّٰه ﷺ عام الفيل يوم الاثنين الثامن عشر من شهر ربيع الأول وهنا هو المشهور عند الجمهور.'' (البدایۃ والنہایہ، ج:۱- جزء:۲،ص:۲۴۲، ط: بیروت)

اسی طرح رحمۃ للعالمین ﷺ (ج:۱،ص:۳۸) میں اور تاریخ حضری (ج:۱،ص:۶۲) میں بھی تاریخِ ولادت ۹/ ربیع الاول مطابق ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مذکور ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں جب علم فلکیات اپنے عروج پر ہے کہ حساب سے بھی دیکھا جائے تو ۱۲/ ربیع الاول کا قول کسی طرح درست ثابت نہیں ہوتا، بلکہ علماء ہیئت نے بھی ۹/ ربیع الاول والے قول کو ترجیح دی ہے۔

اس تمام تر تفصیل اور ذکر کردہ عبارات سے واضح ہوا کہ تاریخِ ولادت کے مختلف اقوال ہیں: ۹/ تاریخ راجح قول ہے، ۱۲/ کو ترجیح کسی طرح حاصل نہیں ہے، کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن تھا، لیکن دلائل کی رو سے ۱۲ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن جمع نہیں ہو سکتے، بلکہ علم فلکیات کے اعتبار سے مؤرخین کا بارہ ربیع الاول آپ ﷺ کے یومِ وفات ہونے پر اتفاق ہے، لہٰذا ترجیح کسی بھی تاریخ کو ہو، لیکن مروجہ میلاد کی کوئی اصل نہیں، بلکہ صریح بدعات کا مرکب ہے۔ خواہ محفلِ میلاد منانا ربیع الاول کے مہینہ میں ہو یا سال کے دیگر مہینہ میں ہو، ہاں! البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں جگ مطلقاً آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر کرنا اور ولادت باسعادت کے وقت جو اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے ان کا ذکر کرنا یقیناً محبتِ رسول کی دلیل ہے، لیکن اس کے لیے کوئی دن خاص کرنا اور اس میں بدعات کا ارتکاب کرنا بے اصل اور بے دلیل ہے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأما غير العالم وهو الواضع لها يعنی البدعة، فإنهٗ لايمكن أن يعتقدها بدعة بل هي عندهٗ مما يلحق بالمشروعات كقول من جعل يوم الاثنين يصام لأنهٗ يوم ولد النبي ﷺ وجعل الثاني عشر من ربيع الأول ملحقا بأيام الأعياد لأنهٗ عليه السلام ولد فيه.'' (الاعتصام، ج:۲،ص:۲۱۴، ط: بیروت، بحوالہ جواہر الفقہ)

''حسن المقصد فی عمل المولد'' میں ہے:

''لا أعلم لهٰذا المولد أصلا فی كتاب اللّٰه تعالٰی ولاسنة رسول اللّٰه ﷺ ولاينقل عملهٗ عن أحد من علماء الأمة الذين هم قدوة في الدين المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكالون الخ.'' (ص:۴۹-۴۶، ط: دار الکتب العلمیۃ)

علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المدخل'' میں لکھتے ہیں:

''فصل في المولد: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذٰلک من أكبر العبادات وإظهار الشعائر ما يفعلونهٗ فی شهر ربيع الأول من المولد وقد احتوٰی ذٰلک

على بدع ومحرمات جملة ، فمن ذٰلک استعمالهم المغاني .'' (المدخل، ج:۲،ص:۳)

باقی رہا سوال ''مشابہت'' کا تو استفتاء میں یہ وضاحت نہیں کہ مذکورہ قائل نے میلاد منانے والوں کو کن کفار کے ساتھ مشابہت دی ہے اور اس کے لیے وجہ تشبیہ کونسی بیان کی ہے، لہٰذا وضاحت کے بغیر اس کا جواب دینا ممکن نہیں۔ تاریخ ولادت کوئی بھی ہو یہ مقصود نہیں اور نہ ہی دین کا کوئی حکم اس پر موقوف ہے۔ اصل اتباع یہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی لمحہ میں اتباع سنت نبوی کا دامن نہ چھوڑے۔

۲:- مردوں کو ہر نیک عمل کا ثواب بخشا جاسکتا ہے کہ اپنے طور پر صدقات نافلہ یا تلاوت قرآت کریم یا تسبیح وتہلیل وغیرہ وغیرہ پڑھ کر زبان سے کہہ دے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے تو حدیث شریف میں ثواب کا پہنچنا ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس قدر چاہے پہنچائے:

''عن سعد بن عبادة قال: يا رسول اللّٰه ! إن أم سعدؓ ماتت فأي الصدقة أفضل؟ قال: الماء ، فحفر بئرا ، وقال: هٰذا لأم سعد.'' (مشکوٰۃ،ص:۱۶۹، ط:قدیمی)

۳:- البتہ ایصالِ ثواب کے لیے محفل کرانا اور اس میں مروجہ طور پر فاتحہ کا اہتمام اور اس میں قیود ورسوم وغیرہ شرعاً بے اصل اور بدعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسان علم وفضل، تقویٰ و پرہیزگاری، اسی طرح دیگر خصوصیات کے اعتبار سے برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوتا، بلکہ علیحدہ ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ عقیدہ ہے۔ ایصالِ ثواب کی ترغیب وفضیلت قرآن کریم واحادیث مبارکہ میں آئی ہے، اگر کوئی ایصالِ ثواب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کا ثواب اپنی صوابدید پر مسلمان مرحومین کو عطا فرمادیتے ہیں۔

باقی انسانوں میں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہیں اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام تمام کے تمام بشر ہی ہیں اور بشر یعنی انسانوں میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پیدا فرمایا، لیکن نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو گناہ سے معصوم اور محفوظ بنایا، صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا، لہٰذا ایصالِ ثواب کے وقت نبی کے بارے میں بشر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے معصوم اور محفوظ ہونے کا بھی عقیدہ ہو، اس عقیدے کے تحت سب کو ایک ساتھ ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	محمد انعام الحق	محمد ذاکر
الجواب صحیح	الجواب صحیح	متخصص فقہِ اسلامی
محمد داؤد	محمد شفیق عارف	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

برِصغیر کی تاریخِ دعوت وعزیمت میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا کردار

ادارہ

مولانا تسبیح اللہ شہزاد۔ صفحات: ۳۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مدرسہ مدینۃ العلم، یوسی درگئی، ضلع چارسدہ، کے پی کے۔

اس کتاب کا مؤلف نے یوں تعارف کرایا ہے:

''روئے زمین پر انسانی آبادی کا آغاز، انسان، برصغیر اور عرب، برصغیر سے تعلقات بعثت نبوی سے پہلے، عرب وہند کی مذہبی ہم آہنگی، بعثتِ نبوی کے برصغیر کے معاشرہ پر اثرات، تاریخی قیاس آرائیاں، ہندی النسل صحابہؓ، برصغیر میں شق القمر کا ظہور، دعوتِ اسلام قرآن وحدیث کی روشنی میں، اُمتِ محمدیہ کا امتیازی تمغہ، دعوت کے طرق واقسام، دعوت وعزیمت میں مولانا محمد الیاسؒ کا کردار، تبلیغی جماعت کی مقبولیت وخدمات، تبلیغی جماعت' اکابر واسلاف کی نظر میں اور تبلیغی جماعت کے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ۔''

کتاب میں ہر بات باحوالہ لکھی گئی ہے۔ تاریخ کا ذوق رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بے بہا تحفہ ہے، خصوصاً تبلیغی جماعت کے متعلق یہ مستند دستاویز ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکابر نے دین کا کام کن حالات میں اور کس انداز میں کیا۔ کتاب کو ایک دفعہ پڑھنا شروع کر دیا جائے، جب تک ختم نہ ہو' اسے رکھنے کا دل نہیں کرتا۔

راقم الحروف تہہ دل سے اس کتاب کے مؤلف حضرت مولانا تسبیح اللہ شہزاد صاحب کو اتنا عمدہ کتاب لکھنے پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور توقع کرتا ہے کہ اس طرح کی اور مستند کتب کی تالیف کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو قبول فرمائے، اُمت کے لیے اس کو نافع اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

جمالِ محمدی (ﷺ) کی جلوہ گاہیں

حضرت مولانا محمد یوسف متالا قدس سرہٗ۔ صفحات: ۵۶۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ازہر

اکیڈمی، لندن، برطانیہ۔ ملنے کا پتہ: دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی

زیرِ تبصرہ کتاب قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور برطانیہ میں آپ کے علوم و فیوض کو عام کرنے والے آپ کے شاگرد و خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ۔ جن کا حال ہی میں دس محرم الحرام ۱۴۴۱ھ کو انتقال ہوا ہے۔ کے بیانات اور ملفوظات پر مشتمل ہے، جس میں آپ نے حضور اکرم ﷺ کی مختصر سیرت کے بعد شیرِ خدا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ تک اکتالیس اولیاء کرام کا تذکرہ، تعارف اور درویشی کے حالات بیان کیے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

۱:۔ سیدنا امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ، ۲:۔ حضرت حسن بصریؒ، ۳:۔ حضرت خواجہ عبدالواحدؒ، ۴:۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ، ۵:۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، ۶:۔ حضرت حذیفہ مدعشیؒ، ۷:۔ حضرت خواجہ ہبیرہ چشتیؒ، ۸:۔ خواجہ ممتاز دینوریؒ، ۹:۔ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتیؒ، ۱۰:۔ حضرت خواجہ ابدال چشتیؒ، ۱۱:۔ حضرت خواجہ ابومحمد چشتیؒ، ۱۲:۔ حضرت خواجہ ابویوسف چشتیؒ، ۱۳:۔ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ، ۱۴:۔ حضرت خواجہ شریف زاندیؒ، ۱۵:۔ حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ، ۱۶:۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، ۱۷:۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، ۱۸:۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، ۱۹:۔ حضرت صابر پیا کریؒ، ۲۰:۔ حضرت شمس الدین ترکؒ، ۲۱:۔ حضرت خواجہ جلال الدین کبیرؒ، ۲۲:۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ، ۲۳:۔ حضرت شیخ عارف بن عبدالحق ردولویؒ، ۲۴:۔ حضرت شیخ محمد بن عارف بن شیخ عبدالحقؒ، ۲۵:۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ، ۲۶:۔ حضرت شاہ جلال الدین تھانیسریؒ، ۲۷:۔ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسریؒ، ۲۸:۔ حضرت شاہ ابوسعیدؒ، ۲۹:۔ حضرت شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادیؒ، ۳۰:۔ سید محمدی اکبریؒ، ۳۱:۔ شاہ محمد مکی جعفریؒ، ۳۲:۔ حضرت شاہ عضدالدین امروہویؒ، ۳۳:۔ حضرت شیخ عبدالہادیؒ، ۳۴:۔ حضرت شیخ عبدالباریؒ، ۳۵:۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فاطمیؒ، ۳۶:۔ حضرت میاں نور محمد جھنجھانویؒ، ۳۷:۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، ۳۸:۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، ۳۹:۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، ۴۰:۔ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔

زیرِ تبصرہ کتاب تصوف وسلوک اور علم وعمل کی عمدہ راہنمائی پر مشتمل ہے، جس کے پڑھنے سے آدمی میں دنیا کی حقیقت، اس سے بے رغبتی، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، محبت اور اللہ والوں کے اس راہ میں مجاہدات کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

انسان، مادہ پرستی اور اسلام

مفتی ابواحمد عبداللہ لدھیانویؒ۔ اہتمامِ اشاعتِ نو: میاں انعام الرحمٰن، حافظ برہان الدین۔ صفحات: ۲۸۶۔ عام قیمت: ۴۸۰ روپے۔ ناشر: مطاف پبلی کیشنز، گوجرانوالہ۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''انسان، مادہ پرستی اور اسلام'' کے مؤلف حضرت مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ لاہور ؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ: ''مجھے اس شخص کے علم و دیانیت پر پورا اعتماد ہے۔'' حضرت مؤلف فکری اعتبار سے ان اکابر کے علاوہ علامہ محمد اقبالؒ سے بھی متأثر تھے۔ علمی اعتبار سے آپ کا بہت اونچا مقام تھا، آپ کی ساری زندگی دینی تعلیم وتدریس میں گزری۔ آپ نے اس کتاب کے علاوہ کئی اور کتابیں اور پمفلٹ دعوت وتبلیغ کی غرض سے تحریر کیے۔ اس سے پہلے آپ کی تالیف ''تخلیقِ عالم، حقیقتِ محمدیہ (ﷺ) اور دینِ محمدی (ﷺ) کا پسِ منظر'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن: ''اشتراکیانِ روس اور مادہ پرستوں کو دعوتِ اسلام'' ۶۳ سال پہلے چھپا تھا اور اب آپ کے پوتے پروفیسر میاں انعام الرحمٰن صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے جدید تقاضوں کے مطابق اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس کتاب میں علمی اور عقلی اعتبار سے ثابت کیا گیا ہے کہ: ۱:- آسمانی مذاہب اور سائنس کے درمیان تضاد نہیں، ۲:- مادی طاقت روحانی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ ہے، ۳:- اب مادی طاقتوں سے امن قائم نہیں ہوسکے گا، ۴:- اور چیلنج کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی نظام اور جامع المذاہب مذہب کے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، ۵:- اور ثابت کیا گیا ہے کہ ایسا نظام اور مذہب صرف اسلام ہی ہے، ۶:- اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سورج روشن ہے اور اس کا فیض عام ہے جو تمام دنیا کو پہنچ رہا ہے تو کوئی بھی دانا اور بینا اس کو جھٹلا نہیں سکے گا اور نہ سورج کے حق میں اس کے قول کو حسنِ عقیدت اور جانبداری پر محمول کرے گا، ۷:- اسی طرح اسلام کو بھی اس کتاب میں سورج کی تمثیل میں حسی، علمی، عقلی اور مسلمہ تاریخی معیار سے پیش کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب جب قاری پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کو چھوڑنے کا جی نہیں کرتا، بہت ہی عمدہ اور پیارے انداز سے حضرت نے اسلام کی دعوت کو پیش کیا ہے۔ راقم الحروف سمجھتا ہے کہ آج اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے علاوہ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں بھی بطور مطالعہ اس کتاب کو شامل کیا جائے تو نئی نسل کو بہت فائدہ ہوگا اور اگر اس کا انگلش ترجمہ کرکے غیر مسلموں تک اس کو پہنچایا جائے تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد ہر ایک عمدہ اور دل کش ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ناشرین کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے، آمین

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....